شخصیات اسلام

صلاح الدین سعیدی

ادارہ نوید سحر لاہور

Marfat.com

شخصیاتِ اسلام

صلاح الدین سعیدی

ادارہ نویدِ سحر لاہور

Marfat.com

انتساب

دادا مرشد حضرت سید خلیل احمد کاظمی محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام

﴿جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں﴾

نام کتاب	شخصیاتِ اسلام
مصنف	صلاح الدین سعیدی (ڈائریکٹر تاریخ اسلام فاؤنڈیشن لاہور)
پروف ریڈنگ	صلاح الدین سعیدی
صفحات	256
تاریخ اشاعت	4 جون 2010ء
ناشر	ادارہ نویدِ سحر، کاہنہ لاہور
قیمت	-/200 روپے

ملنے کے پتے

حافظ امانت علی سعیدی، پرانا کاہنہ، ڈاکخانہ کاہنہ نو، ضلع لاہور۔ موبائل: 0300-8090476

مکتبہ مہریہ کاظمیہ ملتان۔ مکتبہ کریمیہ ملتان۔ مکتبہ فیضانِ سنت ملتان۔ مکتبہ نبویہ، قادری رضوی کتب خانہ، مکتبہ حنفیہ، ضیاء القرآن، کرمانوالہ بک شاپ، مکتبہ رضوان، ادارہ صراط مستقیم، روحانی پبلشرز گنج بخش روڈ، لاہور

سٹاکسٹ

النور پبلیکیشنز، فسٹ فلور، پنجاب پلازہ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37361378,0332-4716360

Marfat.com

راهنمائی

مضمون	صفحہ نمبر
تمام مسلمانوں کی مائیں رضی اللہ عنہن	6
عظیم نبی کی عظیم بیٹیاں رضی اللہ عنہن	14
حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	22
حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ	28
حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا	35
حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ	40
حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ	43
حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ	49
سلطان صلاح الدین ایوبی کا بہادر بیٹا (غیاث الدین)	52
تاریخ و تحقیق بیبیاں پاکدامن رحمۃ اللہ علیہن، لاہور	57
حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور اصلاح معاشرہ	63
حضرت سید محمد گیسودراز قدس سرہٗ العزیز	68
اجتماعی تذکرے	72
صدیقی بزرگانِ دین	73
لاہور کے مفتی خاندان کی پانچ سو سالہ علمی سرگذشت	85
سرہند سے علی پور تک	94
برصغیر کی شخصیات	101
امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں صنعت تضاد کا مختصر مطالعہ	102
علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور نظریۂ ختم نبوت	109
مرزا، مرزائی اور مرزائیت مسلم مشاہیر کی نظر میں	117
ایک عظیم صحافی	125
شیخ الحدیث مولانا محمد صالح رحمۃ اللہ علیہ	130

Marfat.com

مولانا رُکن الدین الوری رحمۃ اللہ علیہ	133
خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمود جان پشاوری ثم جامجودھپوری رحمۃ اللہ علیہ	136
حضرت علامہ سید خلیل احمد کاظمی محدث امروہوی رحمۃ اللہ علیہ	140
خلیفہ اعلیٰ حضرت سید احمد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ	144
تحفظ ختم نبوت کی قانونی جنگ کے مجاہد اول	154
جنوبی پنجاب میں فکر رضا کے پہلے ترجمان	161
صاحبزادہ افتخار الحسن رحمۃ اللہ علیہ	174
علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ اسلاف کا عکس جمیل	181
فقیہ ملت مفتی جلال الدین امجدی رحمۃ اللہ علیہ	187
حکیم الامت مفتی احمد یار نعیمی رحمۃ اللہ علیہ	192
حضرت مولانا غلام قادر اشرفی رحمۃ اللہ علیہ	196
امام نورانی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کا عظیم المرتبت خاندان	202
حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ	210
فکر رضا کا ایک پُر جوش مبلغ مولانا الٰہی بخش ضیائی رحمۃ اللہ علیہ	213
عہدِ حاضر کی شخصیات	216
پیرزادہ اقبال احمد فاروقی رضی اللہ عنہ	217
باتیں سعید بدر کی	229
محمد نعیم طاہر رضوی	235
ڈاکٹر محمد اشرف آصف جلالی	238
انٹرویوز	241
محمد پناہ ثوثانی	242
پروفیسر سعید احمد اسعد	247
جناب محمد افضل اشرفی ایڈووکیٹ	251

Marfat.com

دیباچہ

سعید بدر قادری (سینہ ایڈیٹر روزنامہ پاکستان، لاہور)

زیرِ نظر کتاب ''شخصیات اسلام'' صلاح الدین سعیدی کے رشحاتِ فکر کا نتیجہ ہے۔ یہ کتاب مختلف اوقات میں لکھے گئے ان مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف رسائل و جرائد میں اشاعت پذیر ہوتے رہے۔

ان مضامین میں اُن مشاہیر اسلام کو اجاگر کیا گیا جنہوں نے روشنی و ہدایت کے چراغ روشن کئے، اپنے اپنے ادوار میں بھٹکے ہوئے لوگوں کو ہدایت کا راستہ دکھایا اور اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ پیغمبر، رسول نامدار و کامگار ﷺ کی جانب رُخ موڑا، صلاح الدین سعیدی نے ان پر قلم اُٹھایا ہے اور ان کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر نئی نسل کے سامنے لے آئے۔ اب یہ ہمارا کام ہے، ان بزرگ شخصیات کے کردار و اعمال اور افکار و خیالات سے مستفید اور مستفیض ہو کر دین و دنیا میں فیوض و برکات حاصل کریں۔

جناب صلاح الدین سعیدی تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے بزرگان دین و دنیا کے نقوش پا کو روشن کر دیا اور ان کو صفحۂ قرطاس پر لے آئے۔ زیرِ نظر کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں نہ صرف ان بزرگ شخصیات کا ذکر خیر ہے جو صفحۂ ہستی سے رخصت ہو چکی ہیں بلکہ بعض ایسی شخصیات کے حالات و واقعات اور افکار و خیالات شامل ہیں جو ابھی بقید حیات ہیں اور ان کے حلقۂ احباب میں شامل ہیں۔

مجھے یقین کامل ہے کہ علم و حکمت کے موتیوں کے متلاشی اور اہلِ ذوق حضرات زیرِ نظر کتاب ''شخصیات اسلام'' کو مفید پائیں گے۔ صلاح الدین سعیدی نے شیخ سعدی شیرازی کے اس فرمان پر عمل کر دکھایا ہے۔

نام نیکو رفتگاں ضائع مکن　　تا بماند نام نیکت برقرار

Marfat.com

پہلا باب

تمام مسلمانوں کی روحانی مائیں

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی زوجہ مطہرہ ہیں آپ بیوہ تھیں اور چالیس سال کی عمر تھی تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچیس سال کی عمر میں آپ سے پہلی شادی فرمائی لوگ سہاگن کو ابھاگن بناتے ہیں آپ نے ابھاگن کو سہاگن بنایا۔

ان کے والد کا نام خویلد بن اسد اور ان کی ماں کا نام فاطمہ بنت زائدہ ہے۔

حدیث میں ہے جب سے لوگوں نے میرے ساتھ کفر کیا اس وقت وہ مجھ پر ایمان لائیں اور جب سب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے اس وقت انہوں نے میری تصدیق کی اور جس وقت کوئی شخص مجھے کوئی چیز دینے کے لئے تیار نہ تھا اس وقت خدیجہ نے مجھے اپنا سارا مال سامان دے دیا اور انہیں کے شکم سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا فرمائی۔

(زرقانی، جلد۳، ص۲۲۴۔ استعیاب، جلد۴، ص۱۸۱۷)

پینسٹھ برس کی عمر پا کر ماہ رمضان میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی اور مکہ مکرمہ کے مشہور قبرستان جنت المعلیٰ میں خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قبر انور میں اُتر کر اپنے مقدس ہاتھوں سے ان کو سپرد خاک فرمایا اس وقت نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بقیہ تمام زندگی آپ کو یاد فرماتے رہے اور تمام ازواج مطہرات کے آگے ان کی تعریف فرمایا کرتے تھے۔

حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیوی تھیں۔ ان کے والد کا نام "زمعہ" اور ماں کا نام "شموس بنت عمرو" تھا۔ یہ بھی قریشی خاندان کی بہت ہی نامور اور معزز خاتون تھیں۔ یہ پہلے اپنے چچازاد بھائی "سکران بن عمرو" سے بیاہی گئی تھیں اور اسلام کی شروعات ہی میں یہ دونوں میاں

Marfat.com

بیوی مسلمان ہو گئے تھے اور کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کو ہجرت بھی کر چکے تھے لیکن جب حبشہ سے واپس ہو کر دونوں میاں بیوی مکہ مکرمہ میں آ کر رہنے لگے تو ان کے شوہر کا انتقال ہو گیا اور حضور اکرم ﷺ بھی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد دن رات مغموم رہا کرتے تھے۔ چنانچہ خولہ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہما کے باپ سے بات چیت کر کے نسبت طے کرادی اور نکاح ہو گیا اور یہ عمر بھر حضور ﷺ کی زوجیت کے شرف سے سرفراز ہیں۔

ایک مرتبہ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانے میں درہموں سے بھرا ہوا ایک تھیلا حضرت بی بی سودہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیج دیا انہوں نے اس تھیلی کو دیکھ کر کہا واہ بھلا کھجوروں کے تھیلے میں کہیں درہم بھیجے جاتے ہیں؟ یہ کہا اور اُٹھ کر اسی وقت ان تمام درہموں کو مدینہ منورہ کے فقراء و مساکین کو گھر میں بلا کر بانٹ دیا اور تھیلا خالی کر دیا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں۔ ماں کا نام ام رومان تھا۔ ان کا نکاح حضور اقدس ﷺ سے قبل ہجرت مکہ مکرمہ میں ہوا تھا لیکن کاشانہ نبوت میں یہ مدینہ منورہ کے اندر شوال ۶ ہجری میں آئیں۔ حضور اقدس ﷺ کا ان کے بارے میں ارشاد ہے کہ کسی بیوی کے لحاف میں میرے اوپر وحی نہیں اتری مگر حضرت عائشہ جب میرے ساتھ نبوت کے بستر پر سوتی رہتی ہیں تو اس حالت میں مجھ پر وحی اترتی رہتی ہے۔ (بخاری، جلد ۱، ص ۵۳۲)

فقہ و حدیث کے علوم میں حضور کی بیبیوں کے درمیان ان کا درجہ بہت اونچا ہے بڑے بڑے صحابہ ان سے مسائل پوچھا کرتے تھے عبادت میں بھی ان کا یہ عالم تھا کہ نماز تہجد کی بے حد پابند تھیں اور نفلی روزے بھی بہت زیادہ رکھتی تھیں۔ سخاوت اور صدقات و خیرات کے معاملہ میں حضور کی سب بیبیوں میں خاص طور پر بہت ممتاز تھیں۔ ام درہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ کہیں سے ایک لاکھ درہم ان کے پاس آئے آپ نے اسی وقت ان سب درہموں کو خیرات کر دیا۔ اس دن وہ روزہ دار تھیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ نے سب درہموں کو بانٹ دیا اور ایک

درہم بھی آپ نے باقی نہیں رکھا کہ اس سے آپ گوشت منگا لیتی۔ مؤرخہ 17 رمضان منگل کی رات میں ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ منورہ کے اندر آپ کی وفات ہوئی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور رات میں دوسری ازواج مطہرات کے پہلو میں جنت البقیع کے اندر مدفون ہیں۔ (زرقانی، جلد ۳، ص ۲۳۴)

حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا تمام ازواج پاک میں گرم مزاج اور حق گو تھیں کیونکہ آپ دوسرے خلیفہ ارشد امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں پہلے حضرت حنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں تھیں اور میاں بیوی دونوں ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے تھے مگر ان کے شوہر جنگ احد میں زخمی ہو کر وفات پا گئے تو ۳ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرما لیا۔

اکثر روزہ دار رہا کرتی تھیں، اور تلاوت قرآن مجید اور دوسری قسم قسم کی عبادتوں میں مصروف رہا کرتی تھیں، عبادت گزار ہونے کے ساتھ ساتھ فقہ و حدیث کے علوم میں بھی بہت معلومات رکھتی تھیں۔ شعبان ۴۵ ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی۔ گورنر مدینہ مروان بن حکم نے نماز جنازہ پڑھائی اور ان کے بھتیجوں نے قبر میں اتارا اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔ بوقت وفات ان کی عمر ساٹھ یا تریسٹھ برس کی تھی۔ (زرقانی، جلد ۳، ص ۲۳۶)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

ان کا نام "ہند" اور کنیت "ام سلمہ" ہے لیکن یہ اپنی کنیت ہی کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں ان کے والد کا نام "حذیفہ" یا "سہیل" اور ان کی والدہ "عاتکہ" بنت عامر ہیں۔ یہ پہلے ابو سلمہ عبداللہ بن اسد سے بیاہی گئی تھیں اور یہ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو کر پہلے "حبشہ" ہجرت کر گئے پھر حبشہ سے مکہ مکرمہ چلے آئے۔

پھر دونوں میاں بیوی مدینہ میں آگئے چند بچے بھی ہوگئے تو حضرت ابوسلمہ فوت ہوگئے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بڑی بے کسی میں پڑ گئیں چند چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ بیوگی میں زندگی بسر کرنا دشوار ہوگیا۔ ان کا یہ حال زار دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح فرمالیا اور بچوں کو اپنی پرورش میں لے لیا اس طرح یہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر آ گئیں۔

مدینہ منورہ میں چوراسی برس کی عمر پا کر وفات پائی۔ ان کا انتقال ۶۳ ہجری کے بعد ہوا ہے۔ ان کی قبر مبارک جنت البقیع میں ہے۔ (زرقانی، جلد ۳، ص ۲۳۸ تا ۲۴۲)

آپ نے امہات المومنین میں سب سے لمبی عمر پائی واقعہ کربلا کے بعد آپ کے پاس محفوظ مٹی خون آلود ہوگئی جو سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کو دے کر فرمایا تھا کہ جب حسین کربلا میں شہید ہوگا یہ مٹی خون آلود ہو جائے گی۔

حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

یہ سردار مکہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیٹی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بہن ہیں ان کی والدہ ''صفیہ بنت عاص'' ہیں۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح پہلے عبیداللہ بن جحش سے ہوا تھا۔ اور میاں بیوی دونوں اسلام قبول کر کے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے تھے مگر حبشہ جا کر عبیداللہ بن جحش نصرانی ہوگیا اور عیسائیوں کی صحبت میں شراب پیتے پیتے مر گیا لیکن ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے ایمان پر قائم رہیں اور بڑی بہادری کے ساتھ مصائب و مشکلات کا مقابلہ کرتی رہیں۔ جب حضور اکرم ﷺ کو ان کے حال کی خبر ہوئی تو قلب نازک پر بے حد صدمہ گزرا اور آپ نے حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کی دلجوئی کے لئے حبشہ بھیجا اور نجاشی بادشاہ کے نام خط بھیجا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔ نجاشی بادشاہ نے اپنی لونڈی ''ابرہہ'' کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا پیغام حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا۔ جب حضرت بی بی ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے یہ خوشخبری کا پیغام سنا تو خوش ہو کر ابرہہ لونڈی کو انعام کے طور پر اپنا زیور اتار کر دے دیا پھر اپنے ماموں زاد بھائی حضرت خالد بن

Marfat.com

سعید رضی اللہ عنہ کو اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی بادشاہ کے پاس بھیج دیا اور انہوں نے بہت سے مہاجرین کو جمع کر کے حضرت ام حبیبہ کا نکاح حضور علیہ السلام کے ساتھ کر دیا اور اپنے پاس سے مہر بھی ادا کر دیا اور پھر پورے اعزاز کے ساتھ حضرت شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس بھیج دیا۔

ایک مرتبہ ان کے والد ابوسفیان جو ابھی کافر تھے مدینہ میں ان کے گھر آئے اور رسول اللہ ﷺ کے بستر پر بیٹھ گئے۔ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے ذرا بھی باپ کی پرواہ نہ کی اور باپ کو بستر سے اٹھا دیا اور کہا کہ میں ہرگز یہ گوارا نہیں کر سکتی کہ ایک ناپاک مشرک رسول ﷺ کے اس پاک بستر پر بیٹھے۔

بہت سی حدیثیں بھی یاد تھیں اور انتہائی عبادت گزار اور حضور ﷺ کی بے انتہا خدمت گزار اور وفادات بیوی تھیں ۴۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی اور جنت البقیع کے قبرستان میں دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن ہیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲، ص ۴۸۱)

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ

یہ حضور علیہ السلام کی پھوپھی امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی ہیں حضور ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ سے ان کا نکاح کر دیا تھا لیکن زید رضی اللہ عنہ نے ان کو طلاق دے دی جب اُن کی عدت گزر گئی تو یہ آیت نازل ہوئی۔

فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ (الاحزاب: ۳۷)

جب زید نے طلاق دیدی اور عدت گزر گئی تو ہم نے زینب کا تمہارے ساتھ نکاح کر دیا۔

اس آیت کے نازل ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون ہے کہ جو زینب کے پاس جا کر اس کو یہ خوشخبری سنا دے کہ اللہ تعالیٰ نے میرا نکاح اس کے ساتھ کر دیا۔ یہ سن کر ایک خادمہ دوڑی ہوئی گئی اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو یہ خوشخبری سنا دی۔ حضرت زینب کو یہ

Marfat.com

خوشخبری سن کر اتنی ہوئی کہ اپنے زیورات اتار کر خادمہ کو انعام میں دے دیئے اور خود سجدہ میں گر پڑیں اور پھر دو ماہ لگاتار شکرانے کا روزہ رکھا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت زینب کے ساتھ نکاح کرنے پر اپنی بڑی دعوت ولیمہ فرمائی کہ کسی بیوی کے نکاح پر اتنی بڑی دعوت ولیمہ نہیں کی تھی۔ (بخاری و مشکوٰۃ، جلد۲، ص ۲۷۸)

حضور علیہ السلام کی مقدس بیبیوں میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اس خصوصیت میں سب بیبیوں سے ممتاز ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح خود اپنے حبیب سے کر دیا۔ ان کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہ اپنے ہاتھ سے کچھ دستکاری کر کے اس کی آمدنی فقراء و مساکین کو دیا کرتی تھیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ حضور نے فرمایا کہ میری وفات کے بعد سب سے پہلے میری اس بی بی کی وفات ہوگی جس کے ہاتھ سب بیبیوں سے لمبے ہیں۔ یہ سن کر سب بیبیوں نے ایک لکڑی سے اپنا اپنا ہاتھ ناپا تو حضرت سودی رضی اللہ عنہا کا ہاتھ سب سے لمبا نکلا لیکن جب حضور ﷺ کی وفات اقدس کے سب سے پہلے حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تب لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ ہاتھ لمبا ہونے سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مراد کثرت سے صدقہ دینا تھا۔ بہر حال اپنی قسم قسم کی صفات حمیدہ کی بدولت یہ تمام ازواج مطہرات میں خصوصی امتیاز کے ساتھ ممتاز تھیں ۲۰ ہجری یا ۲۱ ہجری میں مدینہ منورہ کے اندر ان کی وفات ہوئی اور امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہر کوچہ و بازار میں اعلان کرا دیا تھا کہ سب لوگ ام المومنین کے جنازہ میں شریک ہوں چنانچہ بہت بڑا مجمع ہوا۔ امیر المومنین نے خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کو جنت البقیع میں دفن کیا۔ (مدارج النبوۃ، جلد۲، ص ۴۷۶)

حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا

یہ بچپن ہی سے بہت سخی تھیں غریبوں اور مسکینوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کھانا کھلایا کرتی تھیں۔ اس لئے لوگ ان کو ''ام المساکین'' یعنی مسکینوں کی ماں کہا کرتے تھے پہلے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ سے ان کا نکاح ہوا تھا لیکن جب وہ جنگ احد میں شہید ہو گئے

Marfat.com

تو حضور ﷺ نے ۳ ہجری میں ان سے نکاح کرلیا۔ مگر یہ حضور سے نکاح کے بعد صرف دو یا تین ماہ زندہ رہیں اور ربیع الاول ۴ ہجری میں بمقام مدینہ منورہ وفات پا گئیں اور جنت البقیع میں ازواج مطہرات کے پہلو میں مدفون ہیں۔ حضور ﷺ نے بعد میں آپ کی سوتیلی بہن حضرت ام المؤمنین بی بی میمونہ رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمایا۔ (زرقانی، جلد ۳، ص ۲۴۹)

حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

حضرت میمونہ سے ۷۶ حدیثیں مروی ہیں جس سے آپ کی علم حدیث سے دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔

ان کے والد کا نام حارث بن حزن اور ان کی والدہ ہند بنت عوف ہیں۔ پہلے ان کا نام "برّہ" تھا مگر جب یہ حضور علیہ السلام کے نکاح میں آگئیں تو حضور نے ان کا نام میمونہ (برکت والی) رکھ دیا ۷ ہجری عمرۃ القضاء کی واپسی میں حضور نے ان سے نکاح فرمایا۔ ترمذی جلد اوّل صفحہ ۱۰۴ پر حضرت زید بن اصم رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ہم نے حضرت امام میمونہ رضی اللہ عنہا کو اسی جگہ دفن کیا جہاں سرکار دو عالم ﷺ نے انہیں اپنی صحبت بابرکت سے مشرف فرمایا تھا۔ یعنی "سرف" میں۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ آپ کی وفات ۶۳ ھ میں سرف میں ہوئی۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا

یہ قبیلہ بنی مصطلق کے سردار اعظم حراث بن ضرار کی بیٹی ہیں۔ ان کا سارا قبیلہ گرفتار ہو کر مسلمانوں کے ہاتھوں میں قیدی بن چکا تھا۔ اور سب مسلمانوں کے لونڈی و غلام بن چکے تھے۔ مگر رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت جویریہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح فرمایا تو حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کی شادمانی و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ اسلامی لشکر میں جب یہ خبر پھیلی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جویریہ سے نکاح فرمالیا تو تمام مجاہدین اسلام ایک زبان ہو کر کہنے لگے کہ جس

Marfat.com

خاندان میں ہمارے رسول نے نکاح فرمایا اس خاندان کا کوئی فرد لونڈی غلام نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ اس خاندان کے جتنے لونڈی غلام مسلمانوں کے قبضہ میں تھے سب کے سب آزاد کر دیئے گئے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ دنیا میں کسی عورت کا نکاح حضرت جویریہ کے نکاح سے زیادہ مبارک ثابت نہیں ہوا، کیونکہ اس نکاح کی وجہ سے تمام خاندان بنی مصطلق کو غلامی سے نجات مل گئی۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور علیہ السلام کے میرے قبیلے میں آنے سے پہلے میں نے یہ خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی جانب سے ایک چاند چلتا ہوا آیا اور میری گود میں گر پڑا۔ میں نے کسی سے اس خواب کا ذکر نہیں کیا لیکن جب حضور نے مجھ سے نکاح فرمایا تو میں نے سمجھ لیا کہ یہی میرے خواب کی تعبیر ہے۔ ان کا اصل نام ''برہ'' تھا مگر حضور نے ان کا نام ''جویریہ'' رکھ دیا ان۔ ان کے دو بھائی عمرو بن حارث وعبداللہ بن حارث اور ان کی ایک بہن عمرہ بنت حارث نے بھی اسلام قبول کر کے صحابیت کا شرف پایا۔ حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا بڑی عبادت گزار اور دیندار تھیں۔ نماز فجر سے نماز چاشت تک ہمیشہ اپنے وظیفوں میں مشغول رہا کرتی تھیں۔ ۵۰ ہجری میں پینسٹھ برس کی عمر پا کر وفات پائی حاکم مدینہ مروان نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور یہ جنت البقیع میں سپرد خاک کی گئیں۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

خیبر کے سردار اعظم ''حیی بن اخطب'' کی بیٹی اور قبیلہ بن نضیر کے رئیس اعظم ''کنانہ بن الحقیق'' کی بیوی تھیں جو ''جنگ خیبر'' میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ یہ خیبر کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی خاندانی عزت و وجاہت کا خیال فرما کر اپنی ازواج مطہرات اور امت کی ماؤں میں شامل فرمالیا۔ جنگ خیبر سے واپسی پر تین دنوں تک منزل صہبا میں آپ نے ان کو اپنے خیمہ کے اندر اپنی قربت سے سرفراز فرمایا اور ان کے ولیمہ میں کھجور، گھی اور پنیر کا مالیدہ آپ نے صحابہ کرام کو کھلایا۔ یہ بہت ہی عبادت گزار اور دیندار ہونے کے ساتھ ساتھ حدیث و فقہ سیکھنے کا بھی جذبہ رکھتی تھیں۔ چنانچہ دس حدیثیں بھی ان سے مروی ہیں۔ ان کی وفات کے سال میں اختلاف ہے واقدی نے ۵۰ ہجری اور ابن سعد نے ۵۲ ہجری لکھا ہے۔ یہ بھی مدینہ طیبہ کے مشہور و معروف قبرستان جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ (مدارج النبوۃ، جلد ۲،

عظیم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم بیٹیاں

یایھا النبی قل لازواجك وبنٰتك ونساء المومنین یدنین علیھن من جلابیبھن ط ذٰلك ادنٰی ان یعرفن فلا یوذین ط وکان اللہ غفورا رحیما ○

اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں سے فرما دو کہ اپنی چادروں کا ایک حصہ اپنے منہ پر ڈالے رہیں یہ اس سے نزدیک تر ہے کہ ان کی پہچان ہو تو ستائی نہ جائیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (پ۲۲، الاحزاب، ع۴)

آیت کے شروع میں ہی تینوں جملے جمع کے استعمال ہوئے ہیں۔ ازواج، بنات، نساء المومنین تو ثابت یہ ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی نہیں آپ کی کل چار بیٹیاں ہیں۔

دوسری آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے۔

ادعوھم لاٰبائھم ھو اقسط عنداللہ۔ (پ۲۲، الاحزاب)

انہیں ان کے باپ کا ہی کہہ کر پکارو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ ٹھیک ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اللہ کے نزدیک یہی بات مقبول ہے کہ اولاد کو ان کے اصل باپوں کے نام سے پکارا جائے۔ اگر یہ شائبہ گزرے کہ معاذ اللہ رسول کی دیگر بیٹیاں سوتیلی تھیں یہ ان کو خطاب ہے تو یہ بھی صریحاً غلط اور الزام ہے۔ قرآن نے اس کی وضاحت فرما دی ہے۔

وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن۔

ترجمہ: اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیویوں سے جن سے تم صحبت کر چکے ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ سگی بیٹی کے لئے ربائب کا لفظ استعمال نہیں ہوتا لہٰذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں۔

عام طور پر مسلمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چھوٹی شہزادی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہرا

Marfat.com

ہی مشہور و معروف ہیں اور ان کی عظیم بڑی بہنوں کو عام مسلمان نہیں جانتے اس لئے اس تحریر میں حضرت سیدۂ کائنات کی بڑی بہنوں کا ذکر کر کے اللہ اور رسول کی رضا و خوشنودی کے ساتھ ساتھ حضرت خاتون جنت کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

حضرت سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہزادیوں میں بڑی دختر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ہیں۔ ابن اسحاق نے کہا کہ سیدہ زینب بنت رسول کی ولادت واقعہ فیل کے تیس برس بعد ہوئی۔ اسلام میں داخل ہوئیں اور ہجرت کی۔ ان کا نکاح ان کی خالہ کے فرزند کے ساتھ کیا گیا تھا جن کا نام ابو العاص اور حضرت ابو العاص کی ماں ہند بنت خویلد سیدہ خدیجہ بنت خویلد کی بہن تھیں اور ابو العاص اپنی کنیت سے مشہور ہیں۔ لفیظ نام ہے۔ حضرت ابو العاص رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے سیدہ زینب نے ہجرت کی اور ان کو اسی حالت پر چھوڑ دیا۔

حضرت ابو العاص بدر کے قیدیوں میں داخل تھے جب اہل مکہ نے اپنے قیدیوں کی آزادی کا فدیہ بھیجا تو سیدہ زینب بنت رسول اللہ نے ابو العاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کے گلے میں رہتا تھا جسے حضرت خدیجہ الکبریٰ نے بوقت عقد سیدہ زینب کو دیا تھا جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ہار کو ملاحظہ فرمایا تو سیدہ خدیجہ کی محبت کا زمانہ یاد آ گیا اور سخت رقت طاری ہوئی۔ اصحاب سے فرمایا اگر تم مناسب جانو تو ابو العاص کو رہا کر دو اور فدیہ کا ہار زینب کو لوٹا دو۔

صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اسی طرح کریں گے جس طرح آپ کی مرضی ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو العاص سے عہد لیا کہ وہ سیدہ زینب کو آپ کی طرف بھیج دیں گے ابو العاص نے اسے مان لیا اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ اور ایک انصاری کو مکہ مکرمہ بھیجا کہ سیدہ زینب کو لے آئیں اور فرمایا کہ مکہ مکرمہ کے اندر نہ جانا بلکہ وادی ناحج میں ٹھہرنا۔

جب وہ سیدہ زینب کو تمہارے حوالے کر دیں تو ان کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ

Marfat.com

آجانا اس واقعہ کے اڑھائی سال بعد حضرت ابو العاص ایک تجارت کی غرض سے مکہ مکرمہ سے باہر آئے ان کے ساتھ مکہ والوں کا مال تجارت تھا اس تجارتی قافلہ کی واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کے اصحاب ان کی تلاش میں نکلے ہوئے تھے۔ جب انہوں نے قافلہ پر قابو پالیا تو چاہا کہ حضرت ابوالعاص کے مال پر قبضہ کرلیا جائے اوران کو قتل کر دیا جائے۔ یہ خبر جب سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تک پہنچی تو آپ نے عرض کیا یارسولَ اللہ کیا کسی مسلمان کو کسی کو امان میں لینے کا حق نہیں ہے آپ نے فرمایا ہاں ہے۔ سیدہ زینب نے عرض کیا یارسول اللہ آپ گواہ رہئے کہ میں نے ابوالعاص کو امان دے دی۔ جب صحابہ کرام کو خبر ہوئی تو انہوں نے حضرت ابوالعاص کے مال سے ہاتھ کھینچ لیا اور ابوالعاص سے کہا مسلمان ہو جاؤ تا کہ مشرکین کا تمام مال تمہارے لئے غنیمت ہو جائے۔

ابوالعاص نے کہا میں شرم کرتا ہوں کہ اپنے دین کو اس ناپاک مال کے لئے پلید کروں اس کے بعد وہ مکہ چلے گئے اور اس مال کو مالکوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا اے مکہ والو! آیا میں نے تمہارا مال پہنچا دیا تم مجھے اس سے بری الذمہ قرار دیتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں پھر ابوالعاص نے کہا تم گواہ ہو میں گواہی دیتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس کے بعد ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے اور حضور سید عالم ﷺ نے نکاح سابق یا جدید نکاح کے ساتھ حضرت زینب کو ان کے سپرد کیا۔

حضرت سیدہ زینب بنت رسول کا وصال ۸ ہجری میں ہوا۔ جب حضور ﷺ کو اپنی بیٹی کی خبر ہوئی تو آپ کو شدید صدمہ پہنچا اور حکم دیا کہ میری بیٹی کو بیری کے پتے ملا کر خالص پانی کے ساتھ غسل دیا جائے حضرت سودہ بن زمعہ، حضرت ام ایمن، حضرت ام عطیہ انصاریہ نے امام الانبیاء کی شہزادی کو غسل دیا۔ صحیحین میں ہے کہ ان کے غسل میں شیر دل صحابیہ ام سلیط رضی اللہ عنہا نے شرکت کی اور انہوں نے اس کو بیان کیا۔ ام عطیہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ اس حال میں تشریف لائے کہ ہم سیدہ زینب کو غسل دے رہے تھے اور فرمایا میری بیٹی کو غسل دو اور آخری مرتبہ کافور ملو اور غسل تین مرتبہ دو اس کے بعد فرمایا مجھے فراغت غسل

Marfat.com

کی اطلاع دینا۔ ام عطیہ جو حدیث کی راوی ہیں فرماتی ہیں کہ جب ہم سیدہ زینب کو غسل دے دینے کی خبر دے چکے اور حضور اقدس ﷺ نے اپنا تہبند مبارک بھیجا اور فرمایا میری بیٹی کو اس میں کفن دو۔

ام عطیہ فرماتی ہیں کہ ہم نے اس چادر تہبند شریف میں آپ کو کفنایا اور سر کے مبارک بالوں کی تین لٹیں بنائیں اور ان کو سر کی پچھلی جانب کیا اس کے بعد جنازہ پڑھا گیا اور حضور اقدس ﷺ نے ان کو بقیع میں پہنچانے کا حکم دیا۔ جب قبر میں اتارا جانے لگا تو حضور اقدس ﷺ نے خود اپنے ہاتھوں سے قبر میں اتارا۔

حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دوسری بیٹی حضرت سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ ان کی ولادت واقعہ فیل کے ۳۳ برس بعد ہے اور سیدہ زینب کی ولادت کے تین سال بعد سیدہ رقیہ کی ولادت ہوئی۔ سیدہ رقیہ عہد نبوت سے قبل عتبہ بن ابی طالب کی زوجیت میں تھیں ان کی بہن سیدہ ام کلثوم اس عتبہ کے بھائی عتیبہ کی زوجیت میں تھیں۔

عتیبہ کا مسلمان ہو کر مقبول الاسلام بن کر صحابہ کی گنتی میں شمار ہوا ہے اور وہ جو حضور اقدس ﷺ کی عا کا قصہ ہے جس کے بارے میں حضور علیہ السلام کی عا مستجاب ہوئی اور اسے زیر نے پھاڑ ڈالا۔

جب سورۃ تب یدا ابی لھب و تب نازل ہوئی تو ابولہب نے عتبہ سے کہا او عتبہ تیرا سر حرام ہے مطلب یہ کہ میں تجھ سے بیزار ہوں اگر تو محمد ﷺ کی بیٹی کو اپنے سے جدا نہ کرے اس پر اس نے جدائی کر لی اور علیحدہ ہو گیا۔ اہل تفسیر کہتے ہیں کہ قریش نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی سیدہ زینب کو جدا کرنے پر ابھارا لیکن انہوں نے فرمایا خدا کی قسم میں ہرگز سید عالم علیہ السلام کی بیٹی کو جدا نہیں کروں گا اور نہ میں یہ پسند کرتا ہوں کہ اس کے عوض قریش کی کوئی اور عورت ہو۔

Marfat.com

بہر حال اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے اپنی بیٹی سیدہ رقیہ کا نکاح حضرت عثمان ابن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف بن قصیٰ کے ساتھ مکہ مکرمہ میں کر دیا اور اس وقت مکہ مکرمہ میں یہ بات مشہور ہوگئی۔

اَحْسَنَ زَاهُمَا اِنْسَانٌ رُقَيَّه وَزَوْجَهَا عُثْمَانُ۔

جو سب سے اچھا جوڑا دیکھا گیا وہ سیدہ رقیہ اور سیدنا عثمان کا ہے۔

حضرت عثمان نے ان کے ساتھ دو ہجرتیں فرمائیں ایک حبشہ کی طرف اور دوسری حبشہ سے مدینہ کی طرف۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کی شان میں فرمایا حضرت سیدنا لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے خدا کی طرف ہجرت کی۔

حضرت سیّدہ رقیہ کو چیچک کا عارضہ ہوا اور حضور اقدس علیہ السلام جب غزوہ بدر کو تشریف لے جا رہے تھے تو سیدہ صاحب فراش تھیں آپ نے ان کی تیمارداری کے لئے سیدنا عثمان اور اسامہ بن زید کو مدینہ میں چھوڑا۔

چنانچہ سیدہ رقیہ کا اسی مرض میں ارتحال ہوا اور منقول ہے کہ سیدہ کے انتقال پر عورتیں روتی تھیں مگر حضور اقدس ﷺ نے کسی کو منع نہ فرمایا۔ سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سیدہ رقیہ کی قبر کے سرہانے سید عالم علیہ السلام کے پہلو میں بیٹھی رو رہی تھیں اور حضور اقدس ﷺ اپنی چادر مبارک کے کنارہ سے سیدنا فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی چشم مبارک سے آنسو پونچھتے تھے اس کے باوجود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سیدہ رقیہ کی تعزیت کی گئی تو فرمایا **الحمد لله دفن البنات من المكروهات**۔

حضور علیہ السلام ان کے انتقال کے دنوں نزدیکی زمانہ میں تشریف لائے۔ سیدہ رقیہ کی عمر مبارک بوقت انتقال اکیس برس تھی سیدہ کے بطن سے ایک فرزند حضرت عبداللہ حضرت عثمان کے ہاں پیدا ہوئے۔

Marfat.com

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا

رسول خدا ﷺ کی تیسری بیٹی حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں جو عتبہ ابن ابولہب کی زوجیت میں تھیں۔ منقول ہے کہ عتبہ نے جب ام کلثوم سے جدائی کی اور وہ بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں آیا اور کہنے لگا میں آپ کے دین سے کافر ہوا مجھے نہ آپ کا دین پسند ہے اور نہ ہی آپ مجھے پیارے ہیں۔ اس بد بخت نے زیادتی یہ کی کہ آپ کی قمیص مبارک پھاڑ دی اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے کہا ھو یکفر بالذی دلی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنیٰ ظاہر ہے کہ اس نے یہ الفاظ سورۃ نجم سے لئے چونکہ مکہ مکرمہ میں ان دنوں نازل ہو چکی تھی اہل سیر کہتے ہیں کہ اس ملعون نے اتنی گستاخی کی کہ اس نے ناپاک منہ کا تھوک آپ کی جانب پھینکا او کہا کہ میں ام کلثوم کو طلاق دے دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا

اَللّٰھُمَّ سَلِّطْ عَلَیْہِ کَلْبًا مِّنْ کَلَابِکَ۔

اے اللہ اس پر اپنے کتوں میں سے ایک کتا مسلط کر دے۔

حضرت ابو طالب اس وقت مجلس میں حاضر تھے انہوں نے کہا میں نہیں جانتا کہ تجھے کون سی چیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کے تیر سے بچا سکے گی۔

چنانچہ یہ ملعون تجارت کی غرض سے شام کی طرف جا رہا تھا راستے میں جب اس نے ایک ایسی جگہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں درندے تھے تو ابولہب نے قافلہ والوں سے کہا کہ آج کی رات تم سب ہماری مدد کرو کیونکہ میں ڈرتا ہوں محمد ﷺ کی دعا میرے بیٹے کے حق میں آج کی رات اثر کرے اس پر سب نے اپنے سامان کو اکٹھا کیا اور نیچے اوپر چنا اور سامان کے اوپر عتبہ کے سونے کی جگہ بنائی اور اس کے چاروں طرف گھیرے ڈال کر بیٹھ گئے اس کے بعد حق تعالیٰ نے ان پر نیند کو مسلط کر دیا ایک شیر آیا اور اس نے ایک ایک کر کے منہ کو سونگھا اور کسی سے اس نے تعرض نہ کیا پھر اس نے جست لگائی اور عتبہ پر پنجہ مارا اور اس کے سینے کو پھاڑ ڈالا ایک روایت میں ہے کہ اس نے عتبہ کی گردن کو دبوچا۔

Marfat.com

حضور علیہ السلام نے سیدہ رقیہ کے انتقال کے بعد سیدہ ام کلثوم کا ہجرت کے تیسرے سال حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے نکاح فرمادیا اور فرمایا یہ جبرائیل علیہ السلام کھڑے مجھے خبر دے رہے ہیں کہ حق تعالیٰ حکم فرماتا ہے کہ میں ان کو تمہارے نکاح میں دے دوں جب سیدہ کا نکاح ۳ ہجری میں حضرت عثمان سے ہوگیا تو ان کو ذوالنورین کا خطاب ملا ابن عساکر نے حضرت علی المرتضیٰ سے نقل کیا ہے کہ آپ سے حضرت عثمان کے بارے میں پوچھا گیا تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا

وہ تو ہیں جن کو ملا اعلیٰ کے فرشتے ذوالنورین سے یاد کرتے ہیں اس لئے کہ ان کے ہاں رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیاں تھیں۔

جن دنوں سیدہ رقیہ کا انتقال ہوا ان دنوں میں سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی دختر حضرت حفصہ بیوہ ہوگئیں تھیں سیدنا عمر فاروق نے حضرت عثمان سے اپنی بیٹی کا ذکر کیا انہوں نے انکار کیا سیدنا عمر فاروق کو اس پر رنج ہوا اور بارگاہ اقدس رسالت مآب ﷺ میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا عمر کچھ خیال نہ کرو۔

اَلاَولَ عُثْمَانَ عَلٰی مَنْ هُوَ خَيْرٌ لَهٗ مِنْهُمَا وَاَوْلَهَا عَلٰی مَنْ هُوَ خَيْرٌ لَهَا عُثْمَان۔

عثمان کو حفصہ سے بہتر زوجہ ملے گی اور حفصہ کو عثمان سے بہتر شوہر ملے گا۔

اس ارشاد کے بعد حضرت سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بنت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا کو ام المومنین کا شرف حاصل ہوا اور امام الانبیاء ان کے شوہر ہوئے اور سیدنا عثمان کو بہترین زوجہ سیدہ ام کلثوم بنت رسول حاصل ہوئیں۔

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نے ہجرت کے نویں سال انتقال فرمایا۔ حضور علیہ السلام نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کی قبر پر بیٹھے رہے اور آنسو رواں تھے۔

حضرت علی المرتضیٰ و فضل عباس و اسامہ بن زید نے مراسم تدفین پورے فرمائے۔

Marfat.com

سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان سے فرمایا اگر میرے پاس اور بیٹیاں بھی ہوتیں تو تمہارے نکاح میں یکے بعد دیگرے دیتا جاتا اور وہ وفات پاتی رہتیں۔

نوٹ! تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ سرکار دو عالم ﷺ کی تمام مقدس بیٹیوں کے نام اور ان کے حالات زندگی کو یاد کریں اور ان کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کی رضا و خوشنودی حاصل کریں۔

کیا آپ کی لائبریری میں

''رسائل میلاد الرسول صلی اللہ علیہ وسلم''

موجود ہے یا نہیں؟

اگر نہیں تو پہلی فرصت میں اس کتاب سے اپنی

لائبریری کی زینت اور اہمیت کو دوبالا کریں۔

قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور

Marfat.com

حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

پہلے سلطانِ اسلام

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹوں سے ہدایت و حکمت کے جو پھول جھڑے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ''میرے تمام صحابہ ستارگان ہدایت ہیں تم جس کی بھی پیروی کرو گے منزل ہدایت پر پہنچ جاؤ گے''۔

تمام صحابہ کرام اپنے اپنے شعبوں کے حوالے سے اُمت کے لئے روشنی کے مینار ثابت ہوئے ہیں۔ فقر و درویشی کی راہ پر چلنے والوں کے لئے حضرت علی، حضرت ابوذر غفاری، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ایسے ہی دیگر تابندہ کردار موجود تھے۔

تاجروں کی راہنمائی کے لئے حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عثمان غنی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم اور ایسے ہی دیگر بزرگ صحابہ کا کردار مشعل راہ تھا۔

جرنیلوں کے لئے حضرت فاروق اعظم اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہم کی معرکہ آرائیاں تاریخ کی کتابوں کے زندہ باب ہیں۔

اسی طرح بادشاہوں اور حاکموں کے لئے عملی نمونہ بھی ضروری تھا خلفائے راشدین کے بعد اگر سلاطین اسلام کے لئے کوئی صحابی رسول آئیڈیل ہو سکتا ہو تو وہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جاہ و حشمت والی شخصیت ہی ہے۔ جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''معاویہ اسلام کے کسریٰ ہیں''۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انگریزوں کی سرکوبی کے لئے جو چار لشکر مرتب فرمائے ان میں ایک لشکر کے قائد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بھائی حضرت یزید بن سفیان رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں شامل تھے اور ہراول دستے کے کمانڈر تھے۔ اس مہم میں حضرت یزید بن ابوسفیان اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم دونوں بھائیوں نے

Marfat.com

نمایاں کارنامے انجام دیئے۔

دمشق اور اس کے مضافات کی فتح میں گو زیادہ حصہ حضرت سیدنا یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا تھا مگر ان معرکوں میں حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگی خدمات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ جب دمشق فتح ہو گیا اور اسلامی فوجوں نے ارد گرد کے مقامات پر بھی اسلامی پرچم لہرا دیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابوسفیان کو ان علاقون (دمشق اور مضافات) کا گورنر مقرر کیا۔

۱۸ھ میں حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو دمشق اور اس کے مضافات کا گورنر مقرر فرمایا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو انہوں نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پورے صوبہ شام کا گورنر بنا دیا۔

دمشق کی فتح کے بعد جب حضرت یزید بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے عرقہ، جبیل، بیروت اور صیدا کی طرف پیش قدمی کی تو ان مہمات میں ہر اول دستوں کی قیادت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی نے کی اور خاص طور پر عرقہ کی فتح کا سہرا تو انہی کے سر ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور میں شام کے بعض علاقوں میں جب زبردست بغاوت رونما ہوئی اور متعدد شہر اسلامی سلطنت سے نکل گئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کو ان علاقوں کی بازیابی پر مقرر فرمایا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعتماد پر پورے اُترے۔

آپ قیساریہ پہنچے انگریز سپہ سالار نے ان کا زبردست مقابلہ کیا مگر آخرکار شکست کھا کر قلعہ بند ہو گیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے شہر کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران میں انگریزوں نے شہر سے نکل نکل کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر پر متعدد حملے کیے مگر انہیں ہر حملے میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ آخر ایک شدید جنگ کے بعد انگریزوں نے ہتھیار

Marfat.com

ڈال دیئے اور قیساریہ پر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبضہ کرلیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں انہوں نے طرابلس، الشام، ملطیہ، عموریہ، شمشاط اور قبرص تک اسلامی سلطنت کو وسیع کر دیا۔

حضرت سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کے حضرت امیر معاویہ کے حق میں خلاف سے دستبرداری کے باعث ۴۱ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ساری اسلامی دنیا کے پہلے سلطان ہو گئے تو انہوں نے اسلامی سلطنت کی توسیع کی طرف خاص توجہ دی۔ ان کے حکمران ہونے کے بعد بلخ، ہرات اور باذغیس وغیرہ میں زبردست بغاوت رونما ہوئی۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم سے قیس بن ہیثم کو ان بغاوتوں کے ختم کرنے کے لئے مقرر کیا گیا۔ اور قیس نے بڑی بہادری اور ثابت قدمی سے ایک ایک بغاوت کو ختم کر کے سارے شہروں کو فتح کرلیا۔

اسی طرح کابل اور غور کے علاقوں کے لوگوں نے بھی ۴۷ھ میں علم بغاوت بلند کر دیا تھا مگر امیر معاویہ کے جرنیلوں عبدالرحمٰن بن سمرہ اور حکم بن عمرو غفاری نے ان بغاوتوں کو بھی ٹھنڈا کر دیا اور ان علاقوں میں مکمل امن و امان قائم ہو گیا۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے فوج کی تنظیم کی طرف سب سے زیادہ توجہ دی۔ تمام بارڈرز پر چھاؤنیاں قائم کیں اور تمام بڑے بڑے شہروں میں مستحکم قلعے بنوائے۔ شام، مدینہ، مرقیہ، طرطوس اور روڈس کے مضبوط قلعے جو امیر معاویہ نے حفاظتی مقاصد کے لئے تعمیر کرائے تھے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بہت سے قلعے جو ان کے پیش رو خلفاء نے بنوائے تھے اور کسی وجہ سے ویران یا مسمار ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی مرمت کرا کر دوبارہ قابل استعمال بنایا۔

بعض نئے شہر بھی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے آباد کرائے اور بعض مفتوحہ علاقوں میں مسلمانوں کو کثیر تعداد میں آباد کرایا تا کہ وہاں کی مقامی آبادی شرانگیزی نہ کر سکے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آباد کردہ شہروں میں مرغش اور قیروان کے نام خاص طور

Marfat.com

پر قابل ذکر ہیں۔

یہ بات تاریخی طور پر مشہور اور مستند ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے سلطانِ اسلام ہیں جنہوں نے مسلمانوں کا بحری بیڑہ قائم کیا۔ اس بحری بیڑے کو ترقی دینے کے لئے انہوں نے جہاز سازی کے متعدد کارخانے قائم کیے۔ انہوں نے بحری بیڑے کو بری فوج سے علیحدہ کر کے ایک مستقل فوج کی حیثیت دی۔ اور اس کا ایک الگ کمانڈر انچیف مقرر کیا۔ جسے ''امیر البحر'' کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ ''ایڈمرل'' امیر البحر ہی کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ تاریخ اسلام کے سب سے پہلے امیر البحر حضرت عبداللہ بن قیس حارثی تھے۔

حضرت امیر معاویہ نے اپنے عہد حکومت میں جو اصلاحات کیں ان میں ڈاک کے انتظام کی بہترین خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے ڈاک کی چوکیاں قائم کیں۔ جن کا جال ساری سلطنت میں پھیلا ہوا تھا۔ ان چوکیوں میں برق رفتار گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے جن کے ذریعے ڈاک ایک شہر سے دوسرے شہر تک نہایت آسانی اور بہت تیزی سے پہنچتی تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کا بڑا خیال رہتا تھا اور وہ خوب جانتے تھے کہ اس کا سب سے زیادہ انحصار زراعت پر ہے۔ چنانچہ انہوں نے زراعت کی ترقی کے لئے متعدد نہریں کھدوائیں اور برساتی نالوں کے پانی کو محفوظ کرنے کے لئے ڈیم بنوائے۔ یہ ڈیم اور نہریں شام حجاز خراسان اور ترکستان میں بکثرت تعمیر کروائے گئے۔ بعض جگہ پہاڑوں تک کو کاٹ کر نہریں نکالیں گئیں۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اس نکتے سے خوب واقف تھے کہ جب تک ملک کے اندر امن وامان نہیں ہوگا اس وقت تک ملک کو استحکام حاصل نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے محکمہ پولیس کی تنظیم نو کی طرف خاص توجہ دی اور اس کی تعداد میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ پولیس افسروں کے اختیارات بھی

وسیع کئے تا کہ فسادی اور بدمعاش عناصر کی نگرانی کا خاص اہتمام کیا اور اپنے عمال کو حکم دیا کہ ہر شہر میں اوباش اور مفسد لوگوں کو تلاش کر کے ان کا ریکارڈ رکھا جائے اور ان کی نقل وحرکت پر کڑی نظر رکھی جائے۔ پولیس کی ایک جماعت کی ڈیوٹی صرف یہ تھی کہ وہ گلیوں اور بازاروں میں گشت کر کے بدمعاشوں کی نگرانی کیا کرتی تھی۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا عہد حکومت اور ان کی انتظامی قابلیت کو دیکھ کر اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان جیسی شخصیت عالم اسلام میں ان کے بعد نہیں آئی۔ ان میں لوگوں کو اپنی طرف کھینچ لینے کی غیر معمولی صلاحیت تھی اور مردم شناسی میں تو وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ الغرض ایک اچھے بادشاہ میں جو خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ تمام حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ میں موجود تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے دور میں مملکت داخلی استحکام کی حامل رہی اور تمام طبقات آپ سے خوش رہے آپ نے حضرت سیدنا امام حسن اور حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہم اور اہل بیت پاک کے دیگر شہزادوں کے بڑے بھاری وظیفے مقرر کر رکھے تھے اور ان کی عزت نفس کا بڑا خیال رکھتے تھے اس کی برکت سے آپ کی حکومت غیر معمولی کامیابی سے ہمکنار رہی اور آپ کو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید وحمایت کے ساتھ ساتھ اہل بیت پاک کا ہر ممکن تعاون بھی حاصل رہا اور وہ آپ سے ہمیشہ خوش رہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی نجی زندگی ایک سچے اور پکے عاشق رسول کی زندگی تھی۔ آپ نے مختلف ذرائع سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات جمع کر کے انتہائی رازداری اور کمال عقیدت و اخلاص کے ساتھ تمام عمر اپنے پاس رکھے اور ہمیشہ ان کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرتے رہے جب آپ کا وقت آخر آیا تو فرمایا "کاش میں ایک دیہاتی اور گمنام آدمی ہوتا اور خاموشی سے زندگی گزار کر مر جاتا"۔ آپ کے اس قول سے آپ کے ترک دنیا اور مال و دولت سے بے رغبتی کا پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ۴۰ سال شاندار حکومت کرنے کے باوجود بھی حب دنیا کو

Marfat.com

دل میں جگہ نہ دی۔ آنے والے سلاطین اور مسلم حکمرانوں کے لئے آپ کا کردار ہر طرح آئیڈیل کردار تھا۔

وقت آخر آپ نے فرمایا ''مجھے قبر میں رکھنے کے بعد سرکار ختمی مرتبت ﷺ کے تراشیدہ ناخنوں کے تبرکات میری دونوں آنکھوں پر رکھ دینا اور مجھے میرے اللہ کے حوالے کر دینا''۔

جالوں پہ جال پڑ گئے للہ وقت ہے
مشکل کشائی آپ کے ناخن اگر کریں

(امام احمد رضا)

''انتخاب حدائقِ بخشش''

مرتبہ: صلاح الدین سعیدی

مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام

حدائقِ بخشش

میں سے صرف اردو نعتیں الگ شائع کی گئی ہیں تاکہ نعت خوانوں، طالب علموں اور عوام الناس کو سہولت ملے

اُمت کے پہلے مجدد

حضرت سیدنا عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ

پورا مدینہ منورہ خواب راحت کے مزے لوٹ رہا تھا اور 22 لاکھ مربع میل کا حکمران ایک اجنبی کا بھیس بدل کر دارالخلافہ کے سنسان گلی کوچوں میں گشت کر رہا تھا۔ رات دھیرے دھیرے سمٹ رہی تھی اور صبح صادق کا نور ہویدا ہوا چاہتا تھا۔ امیر المومنین بھی گھر کی راہ لینے والے تھے کہ کسی مکان سے ابھرنے والی پُراسرار آوازوں پر سراپا تجسس بن کر ٹھہر گئے۔ ایک عورت اپنی بیٹی سے تحمکانہ لہجے میں کہہ رہی تھی ''دودھ میں پانی ملاؤ'' اور بیٹی کہہ رہی تھی ماں آپ کو معلوم نہیں؟ امیر المومنین نے دودھ میں پانی ملانے سے منع کر رکھا ہے۔ ماں نے اصرار کرتے ہوئے کہا، تو دودھ میں پانی ملا امیر المومنین کونسے یہاں بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ لڑکی نے بھی ایمانی حرارت سے بھرپور جواب دیا ماں امیر المومنین اگر نہ بھی دیکھ رہے ہوں تو خدا تو دیکھ رہا ہے۔

لڑکی کا ایمانی جذبہ دیکھ کر امیر المومنین حضرت فاروق اعظم وجدانی کیفیت سے سرشار ہو گئے اور غلام سے کہا اس گھر کو نظر میں رکھو اور صبح جب دربار خلافت سجے تو اس گھر کے مکینوں کو دربار میں پیش کرو۔

صبح دربار لگا تو غلام نے ماں بیٹی کو دربار میں پیش کیا امیر المومنین نے ماں کو تادیب و تنبیہ کی اور لڑکی کو انعام و اکرام سے نوازا۔

دربار خلافت برخاست ہوا تو حضرت فاروق اعظم کسی گہری سوچ میں ڈوبے گھر پہنچے اپنے بیٹوں کو بلایا اور اس نیک سیرت لڑکی کا تذکرہ کر کے اپنے بیٹوں سے فرمایا میں اس لڑکی کو اپنی بہو بنانا چاہتا ہوں بتاؤ تم میں سے کون اُسے قبول کرنے کو تیار ہے تمام بیٹے اس غیر متوقع اور اچانک سوال پر تقریباً سٹپٹا کر رہ گئے اور دبے لفظوں میں کہنے لگے کہ آپ بنو اُمیہ کی ایک ''معمولی گوالن'' کو اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت

Marfat.com

فاروق اعظم بولے اسلام میں ذات پات کا کوئی تصور نہیں اور کفو کا مسئلہ بھی لڑکی کے وارثوں کی طرف سے ہوتا ہے لڑکے کی طرف سے نہیں لڑکا اگر چاہے تو غیر کفو سے شادی کر سکتا ہے۔ اسلام تو صرف سیرت و کردار کی اہمیت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ تم میں جو میری خوشنودی حاصل کرنا چاہے میری اس خواہش کو فیصلہ سمجھ کر قبول کر لے۔

حضرت عاصم بن عمر تابعی رضی اللہ عنہ نے شادی پر رضا مندی ظاہر کر دی اور بنو اُمیہ کی وہ معمولی گوالن کاشانۂ فاروقی کی عزت بن گئی۔

مروان اور اس کے خاندان نے بالعموم اپنی بربریت و جانوریت کے باعث ہمیشہ مسلمانوں کی نفرتیں ہی سمیٹی ہیں لیکن مروان کے بیٹے عبدالعزیز کی فیروزمندی کہیے کہ اُن کے گھر میں حضرت فاروق اعظم کی پوتی کا ایسا مبارک قدم پڑا کہ شقاوتوں کو سعادتوں میں بدل ڈالا۔

علامہ غلام مصطفیٰ مجددی ''مجددینِ اسلام'' میں لکھتے ہیں ''یقیناً یہ حضرت اُم عاصم کے حسن تربیت اور پاکیزہ دودھ کا فیضان تھا کہ عمر بن عبدالعزیز مروان کے خارستان میں خوشرنگ پھول کی طرح جلوہ نما ہوئے''۔

65ھ میں اس ''مدنی مُنے'' کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع ہوا۔ صحابی رسول حضرت انس بن مالک آپ کے استاد مقرر ہوئے ویسے آپ کے نانا حضرت عاصم بن عمر کے بڑے بھائی حضرت عبداللہ بن عمر آپ کے ''علمی آئیڈیل'' تھے۔ سن بلوغت تک آپ قرآن کے حافظ اور علوم قرآن کے ماہر ہو چکے تھے حدیث نبوی کے درس و مطالعہ کا سلسلہ آپ نے عمر بھر جاری رکھا کیونکہ وہ دور تدوین حدیث کا ابتدائی دور تھا۔

آپ کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے لہٰذا آپ تعلیمی سرگرمیوں سے فارغ ہو کر ''مطالعاتی دورے'' پر مصر چلے گئے کچھ عرصہ وہاں قیام کیا، حکومت و سیاست کے اسرار و رموز سے آگاہی حاصل کی پھر مدینہ منورہ لوٹ آئے۔

عبدالعزیز کے انتقال کے بعد آپ کے تایا عبدالملک بن مروان نے آپ کو

Marfat.com

دارالخلافہ دمشق بلوالیا اور اپنی بیٹی فاطمہ سے آپ کی شادی کردی۔ 86ھ میں آپ کے سر عبدالملک بن مروان کی موت کے بعد آپ کا بڑا سالہ ولید برسراقتدار آیا یہ وہی بدنام زمانہ ولید ہے جس نے فاتح یورپ وافریقہ طارق بن زیاد اور فاتح سندھ و پنجاب محمد بن قاسم جیسے عظیم مسلم ہیروز کو قید کیا تھا اور عراق میں حجاج بن یوسف جیسے ظالم کو کھلا چھوڑا ہوا تھا۔

ولید نے 26 سالہ عمر بن عبدالعزیز کو جب سن 87 میں مدینہ منورہ کا گورنر بنایا تو آپ نے اس شرط پر یہ عہدہ قبول کیا کہ ''مجھے ظلم وستم کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا''۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سات سال اس عہدہ پر کام کیا سات سال میں آپ نے مدینہ منورہ کو ترقی وخوشحالی کا اعلیٰ نمونہ بنادیا جب حجاج بن یوسف کو پتا چلا کہ مدینہ شریف میں اتنی خوشحالی اور سیاسی آزادی ہے کہ لوگ عراق سے ہجرت کر کے مدینہ شریف جارہے ہیں تو ظالم حجاج نے آپ کے خلاف محلاتی سازشوں کا مکروہ سلسلہ شروع کردیا اور بالآخر ولید پر سیاسی اور خاندانی دباؤ ڈال کر سن 93 میں آپ کو مدینہ اور اہل مدینہ کی اس عظیم خدمت سے محروم کروادیا۔

تین سال بعد 96 میں جب ولید اپنے انجام کو پہنچا تو اُس کا چھوٹا بھائی سلیمان تخت پر بیٹھ گیا۔ یہ سلیمان بھی خود تو ظالم اور فاسق و فاجر تھا لیکن مسلم قوم پر اس کا یہ احسان ہے کہ مرتے وقت وہ اپنے بیٹوں اور بھتیجوں کی بجائے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ نامزد کر گیا۔ سچ ہے قدرت جب چاہے فاسق و فاجر سے بھی اچھا کام لے لیتی ہے۔ پہلی صدی ہجری کا سب سے بڑا فتنہ حکومتی فتنہ تھا۔ ظالم، جاہل جابر اور مطلق العنان حکمران اسلام کے مقدس چہرہ کو بگاڑنے کے درپے تھے ایسے میں منشاء الٰہی نے بنواُمیہ میں سے سرکار دوعالم کے ایک ایسے غلام کو چنا جو آقا حضور کی غلامی کو بادشاہی پر ترجیح دیتا تھا۔ اس عظیم خلیفہ نے اپنے ہی خاندان کے پیدا کردہ فتنوں کا بہت تدبر اور خوش اسلوبی سے قلع قمع کیا اور دین وخلافت کا صحیح چہرہ اقوام عالم کے سامنے بڑے فخر سے پیش کیا۔ اپنے دور کے فتنے ختم کر کے شریعت وسنت کو رواج دینا ہی مجدد کا اصل کام ہوتا ہے۔ قوم کو جن مشکلات کا سامنا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُن مشکلات کے حل کی صلاحیتوں کے ساتھ مجدد کو پیدا فرماتا ہے۔

Marfat.com

سن 99 میں تخت نشین ہوتے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز نے انقلابی اصلاحات نافذ کیں۔

۱) آپ نے پُرتکلف شاہی لباس پر سادہ کپڑوں کو ترجیح دی۔ شاہی سواری قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے ذاتی حجرے پر ہی اکتفا کیا۔ آپ کی زوجہ فاطمہ بنت عبدالملک جو ایک سابق شہنشاہ کی بیٹی دو سابق شہنشاہوں کی بہن اور موجودہ خلیفہ کی زوجہ تھیں اس کے باوجود آپ نے اُن سے ایک ایک چھلا تک اُتروا کر سرکاری خزانہ میں جمع کرا دیا اُن کے باپ عبدالملک بن مروان نے اُنہیں ایک نہایت قیمتی ہیرا دی تھا۔ جسے فاطمہ بنت عبدالملک جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں جب یہ قیمتی ہیرا بیت المال میں جمع کرانے کی بابت فاطمہ نے کچھ پس وپیش کی تو آپ نے صاف کہہ دیا فاطمہ یا تو یہ ہیرا سرکاری خزانے میں دے دو یا مجھے چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ لہٰذا آپ کی وفا شعار بیوی نے وہ قیمتی ہیرا شوہر کی محبت پر قربان کر کے بیت المال میں دے دیا۔

خلیفہ ہونے سے پہلے آپ خوشبویات وعطریات کے بڑے دلدادہ تھے جس گلی سے آپ گزرتے لوگ اعلیٰ درجہ کی بیش قیمت خوشبو سے اندازہ کر لیتے کہ عمر بن عبدالعزیز ادھر سے ہو کر گزرے ہیں جو لباس خوشبو آپ استعمال کرتے شہر بھر میں اُس کا فیشن چل نکلتا۔ لیکن بار خلافت اُٹھاتے ہی آپ نے اپنا یہ ذوق سادگی پر نچھاور کر دیا اور عطریات کا جتنا ذخیرہ تھا وہ سب سرکاری خزانے کو دے دیا اس کے علاوہ قیمتی قالینیں سامان آسائش حتیٰ کہ لونڈیاں اور غلام بھی بیت المال کے حوالے کر دیئے۔ مختلف عہدوں پر کام کرنے کے دوران جو جاگیریں آپ کو انعام شاہی میں عطا ہوئی تھیں ان سب کی دستاویزات جامع مسجد دمشق میں مسلمانوں کے بھرے مجمع میں پھاڑ کر پرزے پرزے کر ڈالیں اور جاگیریں اصل مالکوں کو لوٹا دیں۔

۲) مروان نے ''باغ فدک'' پر قبضہ جما رکھا تھا آپ نے ایک جرأت مندانہ اقدام کر کے باغ فدک سے اپنے خاندان والوں کا قبضہ چھڑایا اور اسے ''وقف املاک'' میں شامل کیا۔ باغ فدک کا مسئلہ ایک باغ کا مسئلہ نہیں تھا بلکہ یہ ایک نظریاتی اور فکری مسئلہ بھی بنا ہوا تھا۔ شرعی قانون کے تحت حضرات انبیاء کرام کی جائیداد مسلمانوں کے مجموعی مفاد کے لئے وقف ہوتی ہے وہ کسی

Marfat.com

شخص کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی حتیٰ کہ انبیاء کرام کی اولاد کی بھی نہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اس شرعی قانون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ''جو چیز رسول اللہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی نہیں دی اس پر میرا یا کسی اور کا کیا حق ہوسکتا ہے''۔ دوسری طرف شریعت کے قانون کا احیاء ہوا۔ اور ایک بہت بڑے فتنے کا بھی سدباب ہوا کہ جو لوگ باغ فدک کے معاملے کو اُچھال کر اپنے فرقہ وارانہ مقاصد حاصل کرنا چاہتے تھے وہ ناکام ونامراد ہوئے۔

۳) اموی دور میں ایک اور بدعت بڑی جڑ پکڑ گئی تھی وہ تھی خطبہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بُرا بھلا کہنا۔ جو بالخصوص خانوادۂ نبوت اور بالعموم ساری اُمت کے لئے سوہان روح بنی ہوئی تھی۔ اس عادت بد سے مسلمانوں کے دل چھلنی ہو رہے تھے اور اختلافات کی خلیج دن بہ دن بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اہل اقتدار کی اس بدخصلتی کے باعث شرفاء اہل بیت سیاسی اور ریاستی معاملات سے بددل اور بے تعلق ہوتے جا رہے تھے اور سیاسی شعبدے باز اور پروفیشنل درباریوں کی چاندی ہو رہی تھی۔ آپ نے اس حساس مسئلہ کو پہلی فرصت میں ذاتی توجہ سے حل کیا اور پوری اسلامی دنیا میں اس بدعت کی بیخ کنی کی اور حضرت علی کی توہین والے کلمات خطبوں سے خارج کر کے آیت کریمہ ''**ان اللہ یامر بالعدل والاحسان** ''شروع کروائی جو آج تک خطبوں میں پڑھی جاتی ہے۔

۴) حُب علی کی آڑ میں ایک مخصوص گروہ خلیفہ راشد حضرت سیّدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی کرتا تھا آپ نے اُن کے لئے بھی سزا مقرر کی اور ایک گستاخ کو اپنی موجودگی میں دُرے لگوائے۔

۵) آپ سے پہلے شاہی درباروں میں سرکاری وظیفہ خوار، چمچہ گیر قسم کے شاعر اور قصیدہ خوان بھاری تنخواہوں پر رکھے جاتے تھے آپ نے ایسے سب جھوٹے شاعروں اور قصیدہ خوانوں کو فارغ کر دیا اور اہل علم دانش حضرات کو دربار میں جگہ دی جس سے معاشرے میں علمی ذوق کو مہمیز اور بے سروپا جھوٹی شاعری کی حوصلہ شکنی ہوئی۔

۶) ایک بہت بڑی علمی خدمت آپ نے یہ انجام دی کہ احادیث نبوی کے جو مقدس

Marfat.com

ذخیرے صحابہ و تابعین کے پاس محفوظ تھے۔ انہیں گورنر مدینہ حضرت قاضی ابوبکر بن خرم کی نگرانی میں جمع کروایا اور اُن کی نقول تیار کروا کر اسلامی دنیا کے تمام بڑے شہروں میں رکھوائیں تا کہ اہل حکومت و سیاست اور اہل علم و دانش برابر اُن سے استفادہ کر کے اپنے دین و دنیا سنواریں۔

۷) جو لوگ دنیاداری سے کنارہ کش ہو کر دین کی بے لوث خدمات انجام دے رہے تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال سے اُن سب کا وظیفہ مقرر کیا تا کہ وہ دلجمعی سے دینی امور انجام دیں اور اُمت کی راہنمائی کا فریضہ احسن طریقے سے ادا کریں۔

۸) حضرت عمر بن عبدالعزیز نے سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ یہ کیا کہ شاہی خاندان کے دل و دماغ سے شاہانہ نخوت و غرور کا جنازہ نکال کر رکھ دیا اور انہیں بھولے ہوئے سبق پڑھا دیئے۔ اقتدار کا نشہ آدمی کو بدمست کر ڈالتا ہے۔ جس کے سر پر اقتدار کا نشہ سوار ہو نصیحت اُس پر کارگر نہیں ہوتی وہ خود کو عام لوگوں سے اعلیٰ اور خاص قسم کی مخلوق سمجھنا شروع کر دیتا ہے ایسے لوگوں کو حق کا راستہ دکھانا بڑا کٹھن مرحلہ ہوتا ہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے یہ کٹھن مرحلہ بڑے تدبر تحمل اور جوانمردی سے طے کیا۔ ایک مرتبہ آپ نے اپنے ایک ماتحت افسر کو لکھا "کسی شخص کو اس لئے ترجیح نہ دو کہ یہ شاہی خاندان کا فرد ہے۔ میرے لئے سب مسلمان برابر ہیں"۔

ایک مرتبہ آپ کا چھوٹا سالا مسلمہ بن عبدالملک کسی مقدمے میں حاضر دربار ہوا۔ چونکہ وہ ایک سابق بادشاہ کا بیٹا دو سابق بادشاہوں کا چھوٹا بھائی اور موجودہ خلیفہ کا سالا تھا لہٰذا خود کو معزز سمجھ کر عدالت کے اُس حصے میں بیٹھنے لگا جہاں معززین اور عمائدین بیٹھتے تھے جیسے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیز کی نگاہ پڑی آپ نے کوئی لحاظ کئے بغیر اُسے کہا مسلمہ تم ایک ملزم کی حیثیت سے عدالت میں آئے ہو جب تک تمہاری بے گناہی ثابت نہ ہو جائے تم معززین کے درمیان نہیں بیٹھ سکتے۔ لہٰذا تم عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہو جاؤ۔

ایک مرتبہ آپ کے سالے ولید کے بیٹے عباس پر کسی غیر مسلم نے دعویٰ کر دیا کہ عباس نے میری زمین پر ناجائز قبضہ کیا ہوا ہے۔ آپ نے عباس کو عدالت کے کٹہرے میں لا کھڑا کیا۔ عباس نے کہا میرے والد ولید نے یہ زمین مجھے بطور جاگیر دی تھی یہ دیکھئے اس کے کاغذات بھی

Marfat.com

میرے پاس موجود ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا ''میں ولید کے دیئے ہوئے کاغذات پر اللہ کی کتاب کو ترجیح دیتا ہوں''۔ یہ کہہ کر آپ نے وہ جاگیر عباس سے چھین کر اس غیر مسلم کے حوالے کر دی۔

اسی طرح شاہی خاندان کے بہت سے افراد کو مختلف وقتوں میں مختلف بادشاہوں سے جو جاگیریں عطا ہوئی تھیں وہ سب جاگیریں چھین کر ان کے اصل مالکوں کو لوٹا دیں آپ کے ان انقلابی اقدامات کے باعث آپ کے خاندان والے آپ کی جان کے دشمن ہو گئے ایک طرف پوری اسلامی دنیا آپ کے گن گا رہی تھی ہر زبان پر آپ کے چرچے تھے مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں میں آپ کے لئے دعائیں ہوتی تھیں غریب اور نادار لوگ آپ کی تعریف کرتے نہ تھکتے تھے دوسری طرف چند غنڈہ گرد عناصر اور دولت کے پجاری آپ کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے تھے۔ آپ نے کبھی ایسے لوگوں کی پرواہ نہ کی اور اُن کی دشمنی مول لے کر اپنی آخرت سنوارتے رہے اور اُمت کی خدمت کر کے وہ مقام حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے تابعین بھی آپ پر رشک کرتے تھے بالآخر دو سال پانچ ماہ کی شاندار اور مثالی حکومت کے بعد، سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور عیاشوں کا ٹولہ اُمت کے اس عظیم محسن کو خفیہ طریقے سے زہر دینے میں کامیاب ہو گیا۔ جب آپ بیمار ہوئے تو آپ کو اس سازش کا پتہ چل چکا تھا کہ آپ کو زہر دے دیا گیا ہے۔ مگر آپ نے نہ کوئی تحقیقات کروائیں نہ کسی سے انتقام لیا بس راضی برضا رہے اور بیس دن بیمار رہ کر رجب ۱۰۱ھ میں دربار خدا میں سرخرو ہو گئے۔ حضرت مالک بن دینار فرمایا کرتے تھے لوگ مجھے زاہد کہتے ہیں حالانکہ زاہد تو عمر بن عبدالعزیز ہیں جن کے پاس دنیا آئی اور اُنہوں نے ترک کر دی۔ امام شافعی سفیان ثوری اور امام احمد رضا نے آپ کو خلیفہ راشد لکھا ہے۔ دوسری صدی کے تمام بڑے علماء نے آپ کو اُمت کا پہلا مجدد قرار دیا ہے اور مجدد وہی ہوتا ہے جو علماء کا **مشارٌ علیہ** ہو یعنی ''علماء اس کی طرف اشارہ کریں کہ یہ مجدد ہے''۔ بقول مولانا حسن علی رضوی ''شاگردوں، مریدوں اور بچوں کے کہنے سے کوئی مجدد نہیں بن جاتا''۔

Marfat.com

حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا

حضرت سیّدہ شفیقہ رابعہ بصری تبع تابعیہ تھیں۔ ''سکینۃ العارفین'' میں ہے کہ آپ چار بہنیں تھیں آپ چوتھی بہن تھیں۔ اسی وجہ سے آپ کا نام رابعہ رکھا گیا تھا جس رات آپ پیدا ہوئی تھیں آپ کے والد رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ آپ کے بدن کو لپیٹا جاتا۔ دیئے میں اتنا تیل نہ تھا کہ روشنی رہتی۔ آپ کی والدہ رحمۃ اللہ علیہا نے آپ کے والد کو کہا کہ فلاں ہمسائے کے پاس جاؤ اور تیل لے آؤ۔ رابعہ کے والد نے اپنے دل میں عہد کیا تھا کہ اللہ کے بغیر کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے لیکن مجبوراً ہمسائے کے دروازے پر آئے دروازہ کھٹکھٹایا۔ مگر کوئی جواب نہ آیا۔ گھر والے سوئے ہوئے تھے۔ واپس آگئے اور مایوس ہو کر سو گئے۔

خواب میں رسول خدا ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا غم نہ کرو۔ یہ بچی جو آج پیدا ہوئی ہے۔ یہ سیدہ ہے۔ شفیقہ ہے۔ اس کی روحانی روشنی دنیا کو روشن کرے گی اور میری امت کے ستر ہزار لوگ اسی کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ اگر تم غربت کی وجہ سے غمزدہ ہو تو صبح اٹھ کر امیر بصرہ کے پاس جانا اور میری طرف سے ایک رقعہ لکھ لینا۔ اور کہنا کہ تم ہر رات ایک سو بار درود پاک پڑھا کرتے تھے اور جمعرات کو چار سو بار درود پڑھتے تھے۔ اس جمعرات کو دورد پڑھنا بھول گئے ہو۔ اس کا کفارہ چار سو دینار بنتا ہے۔ حامل رقعہ کو دے دو۔ امیر بصرہ سے چار سو دینار لے کر خرچ کر لینا۔

حضرت رابعہ کے والد نیند سے اٹھے، خط لکھا اور صبح امیر بصرہ کے پاس جا پہنچے۔ امیر بصرہ کے حاجب کو خط دیا۔ تا کہ وہ امیر بصرہ کی خدمت میں پیش کرے۔ امیر بصرہ خط پڑھ کر بڑے خوش ہوئے چار سو دینار پیش کئے۔ دس ہزار دینار بطور شکرانہ عام غریبوں میں تقسیم کئے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے یاد فرمایا ہے۔

Marfat.com

حضرت رابعہ ابھی سن بلوغت کو نہیں پہنچی تھیں کہ آپ کے والدین انتقال کر گئے ان دنوں ملک میں قحط پڑا ہوا تھا۔ آپ کی دوسری بہنیں تلاش رزق کے لئے ادھر اُدھر چلی گئیں حضرت رابعہ بھی بصرہ سے نکلیں۔ کسی سفاک آدمی نے آپ کو پکڑا اور فروخت کر دیا۔ رابعہ دن کو اپنے مالک کے پاس خدمت گزاری میں مصروف رہتیں۔ رات کو اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتیں ایک رات حضرت رابعہ سجدہ میں سر رکھے اللہ کی بارگاہ میں رو رو کر التجا کر رہی تھیں۔ اے اللہ تو جانتا ہے کہ اگر میرا اختیار ہوتا اور آزاد ہوتی تو تیری اطاعت و عبادت میں ذرہ بھر بھی کوتاہی نہ کرتی لیکن مجھے ایس شخص کی خدمت گزاری کے لئے وقت دینا پڑتا ہے جو تیرے مقام سے ناواقف ہے۔ دعا کے دوران آپ کے سر پر ایک نور خود بخود روشنی پھیلا رہا تھا۔ حضرت رابعہ کے مالک نے حضرت رابعہ کو اس حالت میں دیکھا۔ نیند سے اٹھ بیٹھا۔ بڑا متفکر تھا اور دل میں سوچنے لگا۔ میں ایسی نیک بی بی کو اپنی خدمت میں مصروف رکھتا ہوں۔ یہ کسی طرح مناسب نہیں۔ مجھے تو ان کی خدمت کرنا چاہئے۔ دوسرے دن صبح کے وقت حضرت رابعہ کو آزاد کر دیا۔ حضرت رابعہ ایک صحرا میں چلی گئیں اور ہمہ وقت یاد خداوندی میں بسر کرنے لگیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مجالس میں کبھی کبھی حاضر ہوتیں۔ حضرت خواجہ حسن بصری بھی آپ سے نہایت شفقت فرماتے ایک دفعہ حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے چند دوستوں کو لے کر حضرت رابعہ بصری کے گھر گئے اس وقت حضرت رابعہ کے گھر چراغ نہیں تھا۔ مہمانوں کی سہولت کے لئے آپ نے اپنی انگشت شہادت کو اپنے لبوں سے چھوا اور چراغ کی طرح روشن کر دیا اور اس طرح صبح تک چراغ جلتا رہا۔

ایک دن خواجہ حسن بصری نے رابعہ بصریہ کو مشورہ دیا کہ نکاح کر لو۔ رابعہ نے کہا کہ میں فنا فی اللہ ہو چکی ہوں۔

تذکرہ اولیاء میں حضرت فریدالدین عطار رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت رابعہ رحمۃ اللہ علیہا ایک قافلے میں حج بیت اللہ کے ارادے سے نکلیں۔ ایک صحرا میں سے گزر رہی

Marfat.com

تھیں گدھے پر سامان لدا ہوا تھا۔ صحرا کے درمیان پہنچیں تو گدھا مر گیا۔ قافلہ والون نے کہا۔ آپ کا سامان ہم اٹھا لیتے ہیں۔ فرمانے لگیں میں تمہارے بھروسہ پر سفر نہیں کر رہی تھی۔ مجھے تو اپنے اللہ پر بھروسہ اور توکل ہے۔ قافلہ چلا گیا اور اکیلی رہ گئیں۔ سجدہ میں سر رکھ کر دعا کی۔ اے اللہ! کیا بادشاہ ایک مسافر عورت سے یہی سلوک کیا کرتے ہیں؟ پہلے تو مجھے اپنے گھر کی زیارت کے لئے سفر اختیار کرنے کی ہمت دی۔ پھر راستہ میں لا کر میرا گدھا چھین لیا۔ اور مجھے تن تنہا صحرا میں لا کھڑا کیا۔ ابھی دعا پوری نہیں ہوئی تھی کہ گدھا کان جھاڑتا ہوا اٹھا۔ حضرت بی بی نے رخت سفر دوبارہ لادا۔ ابھی راہ میں ہی تھیں کہ دیکھا کہ کعبۃ اللہ کے انوار آپ کے استقبال کو آ رہے ہیں۔ حضرت رابعہ نے دیکھ کر فرمایا۔ مجھے کعبہ نہیں رب کعبہ چاہئے۔ اسی سال سلطان ابراہیم بن ادھم فاروقی رحمۃ اللہ علیہ حج بیت اللہ کو گئے ہوئے تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ کعبۃ اللہ اپنے مقام پر نظر نہیں آ رہا۔ حالانکہ آپ گھر سے چلے تو ہر قدم پر دو دو نفل نماز ادا کرتے گئے اور اسی طرح چودہ سال لگے۔ فرمانے لگے کیا میری بینائی میں کمی آ گئی ہے کہ بیت اللہ نظر نہیں آ رہا۔ ہاتف نے آواز دی آپ کی نظر کی کوتاہی نہیں دراصل کعبۃ اللہ ایک نیک بی بی کے استقبال کو گیا ہوا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم فاروقی نے دیکھا کہ حضرت رابعہ بصریہ آ رہی ہیں۔ اب کعبہ اپنی جگہ قائم ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم فاروقی نے فرمایا۔ رابعہ یہ کیا شور کرامت ہے جو تم نے دنیا میں برپا کر رکھا ہے۔ کہ کعبۃ اللہ کو اپنے استقبال کے لئے بلا رہی ہو۔ حضرت رابعہ فرمانے لگیں۔ ابراہیم شور تو تم نے برپا کر رکھا ہے کہ چودہ سال سے ایک ایک قدم پر نفل ادا کرتے آ رہے ہو۔ اور چودہ سال دیر کر کے اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہو۔ حضرت ابراہیم بن ادھم فاروقی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ رابعہ مجھے چودہ سال اللہ کی نماز پڑھتے صحرا میں گزرے۔ آپ نے فرمایا تم چودہ سال اللہ کی نماز میں رہے میں عمر بھر اللہ کے نیاز میں رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ تم اللہ کے گھر پہنچے۔ تو وہ اپنی جگہ پر نہ تھا۔ میں نیاز مندانہ حاضر ہوئی تو وہ مجھے لینے آگے بڑھا۔

بزرگ حضرات حضرت رابعہ بصریہ کی زیارت کو گئے۔ دونوں بھوکے تھے اور تھکے

Marfat.com

ہوئے تھے۔ وہ دل میں کھانے کی آرزو لئے پہنچے۔ حضرت رابعہ نے دو روٹیاں جو رات کی پڑی ہوئی تھیں پیش کیں۔ مگر اسی وقت دروازے پر ایک سائل نے آواز دی۔ حضرت رابعہ نے دونوں روٹیاں اُٹھائیں اور سائل کو دے دیں۔ دونوں مہمان بڑے حیران ہوئے۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد ایک کنیز دروازے میں داخل ہوئی اس کے سر پر ایک دسترخوان تھا اور کہنے لگی میری مالک نے یہ روٹیاں آپ کے لئے بھیجی ہیں۔ حضرت رابعہ نے روٹیاں گنیں تو اٹھارہ تھیں۔ حضرت رابعہ نے کہا یہ روٹیاں واپس لے جاؤ۔ یہ میرے لئے نہیں کسی اور کی ہوں گی تمہاری مالک کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ واپس گئی تو واقعی مالک نے کہا میں تو بیس روٹیاں بھیجنا چاہتی تھی۔ بیس روٹیاں دیں تو وہ کنیز دوبارہ حاضر ہوئی۔ حضرت رابعہ نے بیس روٹیاں لیں اور مہمانوں کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا۔ دو کے بدلے تو اللہ تعالیٰ نے بیس روٹیاں مقدر کی ہوئی تھیں۔ مہمان بزرگ رابعہ کے اس انداز مہمان نوازی کو دیکھ کر حیران ہوتے رہے۔ حضرت رابعہ نے فرمایا جب تم میرے پاس آئے تو مجھے احساس تھا کہ تم بھوکے ہو۔ مگر میرے پاس صرف دو روٹیاں تھیں۔ ان دو روٹیوں سے تمہارا پیٹ نہیں بھر سکتا تھا۔ سائل آیا۔ میں نے اللہ سے تجارت کی۔ کہ وہ ایک کے بدلے دس دیتا ہے۔ میں دو روٹیاں اس کی راہ میں دے دیں مجھے یقین تھا اللہ تعالیٰ ضرور دو کے بدلے 20 دے گا۔

وفات کے وقت آپ کی عیادت کے لئے لوگ پہنچے۔ کہنے لگیں۔ اٹھو! میرے پاس اللہ کے فرشتے آرہے ہیں انہیں بیٹھنے کی جگہ دو۔

یایتھنا النفس المطمئنة ارجعی الی ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔

اس کے بعد کوئی آواز نہ آئی۔ لوگ پھر آپ کے پاس آئے۔ دیکھا کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔

حضرت رابعہ کی وفات 158ھ میں ہوئی۔ آپ کا مزار آج تک بصرہ میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

جاہل اور ملنگ قسم کے لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ دنیا میں اڑھائی قلندر تھے۔ (۱) شہباز قلندر۔ (۲) حضرت بوعلی قلندر اور آدھی رابعہ بصری قلندر۔ یہ بالکل بے دینی اور حماقت ہے کیونکہ حضرت شہباز قلندر اور حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہما مقام و مرتبہ میں آپ سے بہت چھوٹے ہیں۔ آپ نے تابعین کی زیارت کی ہے لہٰذا آپ تبع تابعین کے عظیم الشان منصب پر فائز ہیں۔ خاص طور پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ حضرت حسن بصری کی تربیت یافتہ ہیں وہاں کسی قلندر کی رسائی ہو سکتی۔ ایسی بے سروپا باتیں آپ کی شان میں توہین کے مترادف ہیں۔ قارئین اگر آپ بھی اس وہم میں مبتلا ہیں تو فوراً توبہ کریں۔

پونے چھ سو صفحات پر مشتمل ضخیم تحفہ

رسائل میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۱۴۲۹ھ/ ۲۰۰۸ء)

مطبوعہ قادری رضوی کتب خانہ

دوسرا ایڈیشن

شائع ہو گیا ہے

آج ہی طلب فرمائیں

Marfat.com

حضرت داؤد طائی علیہ الرحمۃ

تین براعظموں پر پھیلی ہوئی عظیم اسلامی سلطنت کا چیف جسٹس ایک بوریا نشین فقیر کے سامنے دوزانو بیٹھا عہدوں اور منصوبوں کی بے ثباتی اور فقیر غیور کی حقیقی شوکت وسطوت کا زبان حال سے اعتراف کر رہا تھا۔

حضرت داؤد طائی نے منیر باقی کے تقاضوں سے فارغ ہو کر حضرت امام ابو یوسف سے دریافت فرمایا جناب قاضی القضاۃ آج ہم فقیروں کے ہاں کیسے آنا ہوا۔ حضرت امام ابو یوسف نے عرض کیا حضور والا خلافت بغداد کے تاجور امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید حضور کے زہد وتقویٰ سے بڑے متاثر ہیں اور عقیدت مندی کے جذبات کے ساتھ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں اگر آپ پسند فرمائیں تو کسی روز میں انہیں ساتھ لے کر آپ کے آستانہ پر حاضری دوں۔

آپ کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا نظر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا وہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے جبکہ میں اس سے نہیں ملنا چاہتا۔

امام ابو یوسف نے لجاجت سے عرض کیا حضور ایسا نہ کہئے کیونکہ میں خلیفہ وقت سے وعدہ کر چکا ہوں کہ انہیں آپ کی زیارت کراؤں گا۔ آپ نے فرمایا مجھ سے پوچھے بغیر تم نے اس سے وعدہ کیوں کر لیا امام ابو یوسف نے حاضر جوابی سے کام لیتے ہوئے کہا سرکار مجھے آپ کی خوش اخلاقی اور غریب نوازی سے امید تھی کہ آپ مجھے مایوس نہیں فرمائیں گے۔ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ ابو یوسف تم نے غلطی کی اور میرے متعلق ٹھیک اندازہ نہیں لگایا کیونکہ میں دنیاداروں سے نفرت کرتا ہوں بادشاہ کو ہرگز ہرگز میرے ہاں نہ لانا۔ آپ نے دوٹوک جواب سے مایوس ہو کر امام ابو یوسف نے واپس آ کر سارا ماجرہ خلیفہ وقت کے گوش گزار کیا تو خلیفہ ہارون الرشید بھی

Marfat.com

غمگین ہوا کیونکہ خلیفہ ہارون الرشید ایک خوش عقیدہ بادشاہ تھا اور بزرگوں کی زیارت اور خدمات کا بڑا شائق تھا اور تہیہ کر چکا تھا کہ داؤد طائی جیسی عظیم ہستی سے ضرور ملاقات کرے گا لہٰذا اس نے اپنی والدہ محترمہ سے گزارش کی کہ آپ نیک خاتون ہیں ہر چھوٹا بڑا آپ کو احترام کی نظر سے دیکھتا ہے اگر آپ داؤد طائی سے میرے لئے ملاقات کا وقت لینے خود تشریف لے جائیں تو مجھے امید ہے حضرت انکار نہ فرمائیں گے۔ آخر خلیفہ وقت کی والدہ خیرزان کو آپ کے آستانہ پر حاضر ہونا پڑا حاضر ہو کر انہوں نے اپنا مدعا بیان کیا۔

آپ نے فرمایا خیرزان کیا تمہیں آخرت کی فکر نہیں۔ انہوں نے کہا تو پھونک پھونک کر قدم رکھتی ہوں۔ آپ نے فرمایا میں ایک شرط پر تمہاری بات مانوں گا کہ تم ہارون کو پابند کر دینا کہ مجھے دنیا کی دولت دینے کی کوشش نہ کرے خیرزان نے یہ شرط قبول کر لی ہارون اور امام ابو یوسف خیرزان کے ہمراہ آستانہ پر پہنچے۔ ہارون الرشید نے بڑی عقیدت کا مظاہرہ کیا۔ آپ نے خلیفہ ہارون الرشید سے سوال کیا کہ تمہارے پاس کس چیز کی کمی ہے کہ تم میرے پاس آئے ہو۔ خلیفہ گویا ہوا بیشک میرے پاس کسی چیز کی کمی نہیں۔ میں جسے چاہوں ملازم رکھ لوں جسے چاہوں خرید لوں لیکن آپ کی بے نیازی اور استغنا ہے جو میں نہیں خرید سکتا۔

پھر ہارون الرشید نے عرض کیا حضرت مجھے کوئی نصیحت فرمائیں تو آپ نے فرمایا میری نصیحت صرف یہ ہے کہ آئندہ کبھی میرے پاس نہ آنا۔

خلیفہ نے کچھ نذرانہ دینے کی کوشش کی تو آپ نے خیرزان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میں نے جو شرط رکھی تھی تم نے اس کا کچھ پاس نہ کیا خیرزان بولیں آپ زیادہ نہ لیں میرے بیٹے کا ایک دینار تو ضرور قبول فرمائیں آپ نے فرمایا "میرے پاس اتنی رقم ہے کہ زندگی بھر کے لئے کافی ہے"۔ یہ سب سن کر امام ابو یوسف نے آپ کے تیور بھانپ لئے اور بادشاہ کو اشارہ کیا کہ تکرار و اصرار نہ کریں۔ وہ داؤد کے مزاج سے واقف ہیں انہوں نے ایک مرتبہ جو کہہ دیا اس پر کبھی بھی سمجھوتہ نہیں کرنے والے لہٰذا اجازت لے کر ہارون الرشید رخصت ہو گیا۔

Marfat.com

ایک دن امام ابو یوسف کو داؤد طائی کا جملہ یاد آیا کہ ''میرے پاس اتنی رقم ہے کہ زندگی بھر کے لئے کافی'' تو انہوں نے ایک قاصد کے ذریعے یہ معلوم کرایا کہ آپ کے پاس کتنی رقم ہے اور آپ کا ماہانہ خرچ کیا ہے آپ نے قاصد سے فرمایا میرے پاس 10 درہم ہیں اور میرا مہینہ بھر کا خرچ آدھا درہم ہے اور امام ابو یوسف سے کہنا اگر تم حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہو تو میں بھی انہی کا شاگرد ہوں اور یہ سمجھ چکا ہوں کہ تم میری رقم سے میری زندگی کا اندازہ کرنا چاہتے ہو۔

امام ابو یوسف کا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا۔ آپ ٹھیک بیس ماہ بعد خلد کے راہی ہوئے ہارون الرشید اور امام ابو یوسف کو آپ کا وہ جملہ رہ رہ کر یاد آ رہا تھا کہ ''میرے پاس اتنی رقم ہے کہ زندگی بھر کے لئے کافی ہے''۔

اردو میں اپنے موضوع پر

پہلی کتاب

''نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جہیز کا تصور''

دو ایڈیشن چھپ کر ریکارڈ مقبولیت حاصل کر چکے ہیں

اور تیسرا ایڈیشن چھپنے جا رہا ہے۔ آج ہی طلب فرمائیں۔

قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ، لاہور

Marfat.com

چھٹی صدی ھجری کے مجدد

حضرت سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ

چوتھی اور پانچویں صدی ہجری میں بغداد کے بعض عباسی خلفاء نے یونانی لٹریچر کا وسیع پیمانے پر عربی میں ترجمہ کروایا لیکن تاریخی غلطی یہ ہوئی کہ ایک تو اہل نظر اور اہل دل ظاہری و باطنی علوم کے ماہرین کی بجائے صرف ظاہری علوم کے حامل اور لسانیات کے ماہرین کو ہی اس کام پر مامور کیا گیا۔ دوسری غلطی یہ ہوئی کہ یونانی لٹریچر میں یہ جانچ اور پرکھ نہ کی گئی کہ وہ کہاں کہاں اسلامی نظریات سے متصادم ہے۔ جس کے باعث امت کے پڑھے لکھے طبقے میں گمراہ کن یونانی فلسفیانہ نظریات غیر محسوس طریقے سے راسخ ہونے لگے۔ اور نوبت ایں جارسید کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات صفات تک کو بھی فلسفہ کی رنگینیوں میں رنگ کر پیش کیا جانے لگا۔ یونانی فلسفہ آہستہ آہستہ اسلامی سوسائٹی میں علم وفضیلت کا معیار بنتا جارہا تھا۔ قرآن وحدیث کے مقدس علوم کو پس پشت ڈال کر لوگ جدید فلسفہ پڑھنے کی طرف مائل ہورہے تھے اور اس سارے سلسلے کو قانون کی پشت پناہی حاصل تھی۔ شاعر کی زبان میں۔

تعلیم کے بنے تھے معیار کافرانہ
قانون کے لگے تھے انبار کافرانہ
تہذیب کے ہوئے تھے اطوار کافرانہ
پروان چڑھ رہے تھے افکار کافرانہ

فلسفہ ایک وباء کی طرح معاشرے میں پھیل گیا تھا۔ جگہ جگہ بحث ومناظرہ کی بے سود محفلیں جمی تھیں۔ اور یہ بحثیں فروعی اختلافات سے آگے بڑھ کر خود ذات واجب الوجود کو موضوع سخن بنارہی تھیں۔ ایسے ایسے سوالات اٹھائے جارہے تھے۔ کہ

Marfat.com

☆ آیا خدا کا وجود ہے بھی یا نہیں؟

☆ قیامت آ سکتی ہے یا نہیں؟

☆ اگر خدا ہے تو کس طرح ہے؟

☆ قرآن حادث ہے یا قدیم؟

اکبر الہ آبادی کی زبان میں صورت احوال یہ تھی۔ کہ

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

جب پرانی وضع کے لوگ' سادہ لوح مسلمان اور علمائے کرام نئی روشنی کے مونہہ سے ایسے سوالات سنتے تو ان کے مونہہ تکتے رہ جاتے۔ اہل ایمان کے ایمانی تقاضے اللہ رب العزت کے حضور مجسم دعا بن جاتے۔ اور ان کی بے بسی آنسوؤں کا لباس پہن لیتی۔ عوام الناس پڑھے لکھے طبقے کے باہمی اختلافات سے متنفر ہو کر ذہنی انتشار کا شکار اور اسلامی علمی ورثہ سے دور ہوتے جا رہے ہیں۔

ایسے ماحول میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بات۔ کہ "ہر صدی کے سرے پر اللہ تعالیٰ اس امت میں ایسا مجدد پیدا کرے گا جو اس دین کی تجدید کرے گا"۔ (ابوداؤد) کے مطابق حضرت محی الدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خزاں رسیدہ گلشن میں ہوا کا تازہ جھونکا بنا کر بھیجا۔

یونانی فلسفے کا طوفان بھی بغداد میں آیا ہوا تھا اور اللہ تعالیٰ کی مشیت نے بھی تجدید دین کی لئے بغداد ہی کو منتخب فرمایا۔ حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغداد میں پانچ سو گیارہ ہجری میں باقاعدہ تدریسی کام کا آغاز فرمایا۔ اور کچھ ہی عرصہ میں آپ کے مدرسے میں ساڑھے سات سو کے قریب طلباء نے داخلہ لے لیا۔ وہ علوم دینیہ کے پاکیزہ چشموں سے اپنے ایمان وایقان اور اعتقاد ونظریات کی کھیتیوں کو سیراب کرنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت

Marfat.com

نے اپنے وعظ کے ذریعے عام لوگوں کے ذہنوں کو مثبت انداز میں بدلنا شروع کیا۔ آپ نے لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی کہ جدید علوم پڑھ کر آپ دربار خلافت میں ملازمت اختیار کر سکتے ہیں، کسی دنیاوی تعلیمی ادارے میں نوکر ہو سکتے ہیں، کسی امیر یا نواب کے اطالیق یا منشی لگ سکتے ہیں لیکن اس سے آپ اپنے ایمان کی دولت سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے، اللہ کی توحید سے آپکا ناطہ ٹوٹ جائے گا آپ حضور ﷺ کی شفاعت سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ کی دنیا آباد ہو جائے گی مگر آخرت برباد ہو جائے گی۔ معاشرے میں آپ کا اسٹیٹس بن جائے گا لیکن قبر اندھیری ہو جائے گی۔

اس سلسلے میں آپ ایک مثال دیا کرتے تھے کہ ایک آدمی اگر بھوکا ہے تو کسی نہ کسی طرح اس کا گزر ہو جائے گا لیکن ایک آدمی کے آگے رنگ برنگے کھانے چنے ہوئے ہیں مگر اس میں زہر کی آمیزش ہے بتایئے کہ اس کو موت سے کون بچا سکتا ہے۔ بتایئے کہ وہ بھوکا رہنے والا شخص عقل مند ہے یا یہ زہریلا کھانا کھانے والا لہٰذا اس چند روزہ دنیا میں فقر و قناعت کے ساتھ زندگی گزار لو لیکن دنیا کی رنگینی پر فریفتہ ہو کر دین کو ہاتھ سے نہ جانے دو"۔

رفتہ رفتہ آپ کے اس سادہ اور پر اثر تبلیغی طریق کار نے لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا شروع کر دیا شروع میں آپ کی محافل میں چند درویش اور فقیر ہوا کرتے تھے لیکن آپ کی بے لوثی، خلوص، ایثار اور لگن نے معاشرے کے ہر فرد کو اپنی طرف کھینچ لیا یہاں تک کہ آپ کے مواعظ میں ایک ایک لاکھ کا مجمع ہونے لگا اور قلم دوات سے آپ کے ملفوظات لکھنے والے حضرات کی تعداد بسا اوقات چار چار ہزار تک پہنچ جاتی تھی۔ آپکی تقریر ایسی پر اثر اور شعلہ نوا ہوتی کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے اور بعض آپ کے قدموں سے لپٹ کر ہچکیاں بھرتے۔ بعض صبر و ضبط کا چارہ نہ رکھتے اور اپنے گریبان پھاڑ لیتے اور بعض شہیدان مہر و وفا تو آپ کے کسی عارفانہ جملے پر جان تک لٹا دیتے اور بارگاہ الٰہی میں سرخرو ہو کر حیات جاودانی کا شرف پا لیتے۔

Marfat.com

چھٹی صدی ہجری کی پانچویں دھائی میں عباسی حکمرانوں کا رعب و دبدبہ اپنے عروج پر تھا۔ عوام تو عوام خواص میں بھی دم مارنے کی ہمت نہ تھی۔ بڑے بڑے لوگ بھی سہمے ہوئے زندگی گزار رہے تھے۔ ایسے میں حضرت نے ایک انقلابی قدم اٹھایا کہ تدریس و تبلیغ کے ساتھ ساتھ سیاست کی تطہیر کا کام بھی شروع کر دیا اور حکمرانوں کو اپنی زبردست تنقید کا نشانہ بنایا جس سے ایک طرف تو حکمرانوں کی فرعونیت ٹوٹ گئی اور دوسری طرف پسے ہوئے عوام کو بڑا حوصلہ ملا اور ان پر حاکمان وقت نے جو بے جا رعب جما رکھا تھا آپ کی بے خوف تنقید نے وہ جال ادھیڑ کر رکھ دیا۔

اس سلسلے میں ایک واقعہ یقیناً قارئین کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ ایک عباسی خلیفہ مستنجد باللہ ایک دن حضرت کے مدرسے میں آیا اور اشرفیوں کی ایک تھیلی آپ کی نذر کی۔ آپ نے وہ تھیلی اپنی مٹھی میں لیکر بھرے مجمع میں نچوڑی تو اس میں سے خون بہنے لگا۔ یہ منظر دیکھ کر خلیفہ کا سارا کروفر اور شاہی جاہ وجلال خاک میں مل گیا اور عوام اس تماشے پر خوب لطف اندوز ہوئے۔ پھر آپ نے حاکم وقت کو للکارا اور اشرفیوں کی تھیلی کو خلیفہ کی طرف اچھالتے ہوئے جلالی انداز میں فرمایا۔ ''عوام کا خون نچوڑتے ہو اور ہمیں نذرانے دیتے ہو''۔

پانچ سو چون ہجری میں لوگوں کے زبردست اسرار پر وسطی ایشیا کے شہروں طوس' بسطام ایران کے شہروں تبریز اور ہمدان عراق کے شہروں' موصل' کوفہ' نجف اور شام کے شہروں حلب اور دمشق میں اپنے مدرسے کی شاخیں کھولیں اور اپنے رشد و ہدایت کا دائرہ پوری اسلامی دنیا تک بڑھا دیا۔

پانچ سو ستاون ہجری میں آپ نے تربیت یافتہ خلفاء اور تلامذہ کو تبلیغی اغراض و مقاصد کے تحت مختلف براعظموں' ملکوں اور شہروں میں تعینات کیا۔ جن میں حضرت ہاشم بن زیاد' حضرت طلحہ بن اسد' حضرت عبداللہ بن شہاب' حضرت عبدالرحمٰن بن مسعود' حضرت زبیر بن وھب اور حضرت جعفر بن سعید معروف ہیں۔ آپ کے یہ شاگردان عزیز مریدان

Marfat.com

باصفاراہ خدامیں صابروشاکر تھےان میں حوصلہ مندی اورایثارمندی کوٹ کوٹ کربھری ہوئی تھی۔ یہ سارے کے سارے درویش تھے جوسادہ کھانا کھاتے معمولی لباس میں گزارہ کرتے اوردینی علوم کی نشرواشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے۔خودفقروفاقہ میں رہتے ہوئے ہمیشہ امت کے دکھی اور پریشان حال لوگوں کے لئے آسانیاں پیدا کرتے اور ہر دکھ درد میں ان کے شریک رہتے۔آپ کے بعض خلفاء مالدار بھی تھے لیکن انہوں نے فقر اور درویشی اختیار کررکھی تھی اوراپنامال راہ خدامیں لوٹا کرصبروشکر کی حلاوت سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔یہ سب حضرات علم وفضل کے کوہ گراں دریائے فقہ کے غواص، حدیث وتفسیر کے شناور، ادب وتاریخ کے ماہراورفصاحت وبلاغت کے پیکر تھے۔ان کی گفتگولوگوں کے ذہنوں کومتوجہ کرتی اوران کا کردار پرائے دیس کے اجنبی لوگوں کے دل موہ لیتا۔ان کی حکمت بھری باتیں اہل علم کوان کے آگے جھکاتیں اوران کاعمل جادہ حق کے متلاشی مردان خداکونمونہ عمل فراہم کرتا۔یہ لوگ جب تلاوت کرتے توراہ چلتے لوگ رک جاتے اوران پر ایسااثر ہوتا کہ وہ کتاب ہدایت کے حقائق ومعارف جاننے کے لئے بےتاب ہوجاتے۔ الغرض حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ روحانی سفیر جس علاقے میں گئے فتوحات نے آگے بڑھ کرانکا استقبال کیا اور ساری اسلامی دنیا فیضان غوثیہ سے معمور ہوگئی۔آپ کے تجدیدی کام نے بالعموم ساری دنیا اور بالخصوص بلاد اسلامیہ میں نظریاتی انقلاب برپا کردیااورحضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضورعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث پاک کاعلمی نمونہ بن گئے جس میں ہرصدی کے سرے پرمجدد کےتشریف لانے کی بشارت دی گئی تھی۔ان روحانی اورعلمی فتوحات کے ساتھ ساتھ آپ کے شاگرداورعقیدت مندسلطان صلاح الدین ایوبی نے مصر،شام اور بیت المقدس میں شاندارفتوحات کے بعد اسلامی سلطنتیں قائم کیں جودرحقیقت آپ ہی کافیضان تھااس طرح آپ نے ہرمیدان میں تجدیددین فرمائی۔

بزرگان دین نے اسلامی معاشرت میں جن چیزوں کورواج دیاان کے پیچھے کوئی

Marfat.com

خاص تبلیغی مقصد کارفرما ہوتا تھا۔ بزرگان دین کے پیش نظر لوگوں کو کھانا کھلا کر سستی شہرت حاصل کرنا نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ کوئی تقریب منعقد کر کے کوئی محفل سجا کر عامۃ الناس کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرتے تھے شریعت وطریقت کے رموز سمجھاتے اور ان میں ایک خاص ذوق پیدا کرتے تھے۔

ہر دور میں اولیاء کرام اپنے اپنے انداز میں تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیتے رہے ۔حضرت غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی طرح اپنے دور میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور نذر و نیاز پیش کرنے کے لئے ایک ماہانہ محفل کو رواج دیا جو ہر اسلامی ماہ کی گیارہ تاریخ کو بڑی شان وشوکت سے انعقاد پذیر ہوتی تھی۔ لوگ دور دور سے چل کر دین سیکھنے کے لئے اس محفل میں حاضر ہوتے۔ حضرت غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس محفل میں آنے والے مسلمانوں کی دینی اخلاقی' معاشرتی اور فکری تربیت فرما کر ایسے عظیم لوگوں کی کھیپ تیار کی جنہوں نے مسلمان قوم کو ٹھوس قیادت فراہم کی اور نت نئے فتنوں کا بڑے موثر انداز میں صد باب کیا۔ اس مبارک محفل نے اچھے نتائج کی وجہ سے بڑی شہرت پائی اور اسلامی دنیا میں گیارھویں شریف کے نام سے مشہور ہوئی۔ (فرق النظر صفحہ ۱۱ بحوالہ کتابچہ عیدوں کی عید پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد)

اس پاکیزہ اور مقدس محفل کا تسلسل آج بھی جاری وساری ہے لیکن افسوس صد افسوس عقابوں کے نشیمن زاغوں کے تصرف میں آجانے کے سبب، سارے شرف تقدس کے باوجود رفتہ رفتہ اس کی اصل روح مجروح ہوتی جارہی ہے۔ پروفیشنل اور بے علم وعمل پیروں کی بھرمار کے باعث گیارہویں شریف محض ایک فیشن بن کر رہ گئی ہے۔ اکثر مشاہدے میں آیا ہے کہ گیارہویں شریف کی محفل میں زرق برق لباس میں ملبوس لوگ بڑے شوق سے آتے ہیں، لنگر کھاتے ہیں اور لوٹ جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے اگر کہیں کسی عالم دین کے وعظ انتظام بھی ہو تو بدقسمتی سے کچھ لوگ اس میں شریک ہوتے ہیں ورنہ جمہور کی نظریں لنگر پر ہوتی ہیں اور وہ لنگر کھاتے ہی گیارھویں شریف کی محفل سے ''نو دو گیارہ''

Marfat.com

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ ایشیاء کے وہ مایہ ناز سپوت ہیں۔ جن کی حکمت ایشیاء کی سرحد پار کر کے یورپ کے علمی ایوانون تک پہنچی اور یورپی دانشوروں نے اس سے خوب خوب استفادہ کیا۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ علم تصوف و اخلاق کے ایسے نامور مصلح مانے گئے، جن کے اقوال زریں آج بھی لوگوں کے لئے راہنما اصولوں کا درجہ رکھتے ہیں۔

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا نام محمد بن ابوبکر ابراہیم بن اسحاق ہے اور فریدالدین لقب سے آپ زیادہ معروف ہیں، چونکہ آبائی پیشہ عطاری تھا۔ اس لئے عطار کہلاتے تھے۔ ۵۱۳ھ میں نیشاپور کے قصبہ ''گڈکن'' میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ابوبکر ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ چونکہ مشہور عطار تھے۔ لہٰذا حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائی عمر میں اسی عطار کی دکان پر کام کیا۔ اسی دوران والد صاحب سے طب بھی پڑھی اور بحیثیت ایک طبیب خدمت خلق کرنے لگے۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا بہت بڑا دواخانہ تھا اور اس میں کئی سو مریض یومیہ دیکھتے تھے۔ اپنے اس شغل کے دوران بھی آپ تصوف کی طرف متوجہ رہے۔

ایک روز حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنے کاروبار میں مصروف تھے۔ اچانک ایک فقیر آیا اور اس نے کہا کہ خدا کے نام پر کچھ دو۔ آپ نے توجہ نہ دی۔ فقیر نے کہا آپ دنیاداری میں اتنے مصروف ہیں تو اللہ کو جان کیسے دیں گے۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا جس طرح آپ جان دیں گے میں بھی دے دوں گا۔ فقیر جوش میں آ گیا۔ آپ کی دوکان کے سامنے اپنا کشکول سرہانے رکھ کر لیٹ گیا اور کلمہ پڑھتے ہوئے جان دے دی۔

جب آپ نے یہ صورت حال دیکھی تو آپ کے دل و دماغ پر اتنا شدید اثر ہوا کہ اپنی ساری دولت راہ خدا میں لٹا کر تارک الدنیا ہو کر سلوک کی منزلیں طے کرنے نکل کھڑے ہوئے۔

Marfat.com

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت فریدالدین عطار کو شیخ مجدالدین بغدادی خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں میں شمار کیا ہے۔ حضرت شیخ مجدالدین رحمۃ اللہ علیہ حضرت نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ کے مشہور خلیفہ ہیں۔

حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے زندگی کے ہر دور میں تالیف وتصنیف کو اپنا شیوہ بنائے رکھے، چنانچہ مشہور ہے کہ مثنویوں کے علاوہ آپ نے تقریباً چالیس ہزار اشعار کہے ہیں اور آپ کی جملہ تصانیف ۱۱۴ ہیں۔ اسرار نامہ، الٰہی نامہ، جواہرالذات، وصیت نامہ، بلبل نامہ، حیدرنامہ، شترنامہ، مختارنامہ، شاہنامہ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتابیں ہیں، اور منطق الطیر تو آپ کی وہ شہرۂ آفاق کتاب ہے جو دنیا بھر کے تمام علماء ومشائخ اور غیر مسلم سکالرز بھی اپنے مطالعہ میں رکھتے ہیں۔

تصوف میں حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا جلال الدین رومی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے بزرگ بھی اپنے آپ کو ان کا پیروکار قرار دیتے ہیں۔ حضرت جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہین۔ عشق کے سات بازار ہیں۔ میں نے ایک کی سیر کی ہے اور حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے ساتوں کی سیر کر رکھی ہے۔

واقعہ شہادت:

۶۲۷ھ میں آپ کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، تاتاریوں کے عین ہنگامے میں ایک سپاہی نے حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کو گرفتار کیا ایک راہ گیر نے بڑھ کر کہا دیکھنا حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کو قتل نہ کر دینا، میں دس ہزار اشرفیاں نقد دیتا ہوں کہ ان کو چھوڑ دو۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کہا خبردار اتنے پر مجھے فروخت نہ کر دینا۔ میری اس سے کہیں زیادہ قیمت ہے۔

سپاہی خوش ہوا کہ اس سے بھی زیادہ دولت ہاتھ آئے گی اور وہ بھی بالکل مفت، آگے بڑھ گیا۔ آگے ایک اور شخص ملا اس نے سپاہی سے کہا کہ اس بوڑھے کو مجھے دے ڈالو میں ایک گٹھا

گھاس کا اس کے معاوضے میں دیتا ہوں۔ حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ بولے ہاں دے ڈال کہ میری قیمت اس سے بھی کم ہے۔ سپاہی کے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ دس ہزار اشرفیاں ملتی ہوئی ہاتھ سے گئیں جھلا کر آپ کو قتل کر ڈالا۔ جب اس سپاہی کو حضرت فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی کا علم ہوا تو اپنی خطا پر نادم ہوا اور مسلمان ہو کر انہیں کے مزار کا مجاور بن گیا۔ شیخ عطار کا مقبرہ نیشاپور میں آج تک عوام وخواص کا مرجع بنا ہوا۔

اے فرید الدین تو ہے معرفت کا
خوب تجھ پہ کھل کر بری رحمت پروردگار
اے فرید الدین تیری چار سو شہرت ہوئی
رحمت للعالمین کی تجھ پہ بھی شفقت ہوئی
اے فریدالدین تو ہے قوم کا مایہء ناز
اے فریدالدین تو ہے راز و نیاز
اے فریدالدین رومی تیرے پیروکار ہیں
اے فریدالدین جامی عشق میں سرشار ہیں
اے فریدالدین تو اسلام کا وقار ہے
مشرق و مغرب میں تیرے علم کا پرچار ہے
اے فریدالدین تیرے پیر حضرت مجدُالدین
کون مجدُالدین وہ جو ہیں مرید نجم الدین

☆☆☆☆

شاہکار

Marfat.com

سلطان صلاح الدین ایوبی کا بہادر بیٹا

سلطان صلاح الدین ایوبی مصر و شام کے بعد فلسطین پر بھی اپنا پھریرا لہرا چکا تھا اور ''فاتح بیت المقدس'' ہونے کے ناطے وہ اسلامی دنیا کا ہیرو بن چکا تھا۔ گو کہ یہ ساری فتوحات اس نے اپنے زور بازو سے حاصل کیں تھیں۔ لیکن وہ پھر بھی بغداد کی خلافت عباسیہ کے تحت ہی رہا حالانکہ اس وقت اسلامی دنیا میں اس کی حیثیت ایسی تھی کہ وہ اگر چاہتا تو اپنا سکہ چلا سکتا تھا اور اپنے نام کا خطبہ پڑھوا سکتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اپنے آپ کو بادشاہ نہیں سمجھا۔ بلکہ ہمیشہ ایک مجاہد ہونے پر فخر کرتا رہا۔

اس کی یہ شرافت و انکساری ہی تھی۔ جس نے عباسی خلیفہ ناصر الدین احمد کے دل میں اس کا وقار بہت بڑھا دیا تھا اور عباسی خلیفہ نے بغداد میں بیت المقدس کی فتح کا جشن منایا اور ایک چاندی کا چاند تارہ بنوا کر صلاح الدین ایوبی کی خدمت میں بھیجا کہ اسے خلیفہ بغداد کی طرف سے مسجد اقصیٰ کے برج پر نصب کر دیا جائے۔ ساتھ ہی ایک تعریفی خط بھی ارسال کیا۔ جس میں بیت المقدس کی فتح پر مبارکباد پیش کی گئی تھی اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے جانثار ساتھیوں کے جذبہ جہاد کی دل کھول کر تعریف کی گئی تھی اور مسلمانوں کے نام پیغام تحریر تھا کہ حضرت خالد بن ولدی ''سیف اللہ'' تھے۔ اور سلطان ''سیف الجہاد'' ہیں۔ مسلمانوں یہ تلوار کبھی ہاتھ سے نہ رکھنا اس میں تمہاری شوکت و سطوت کا راز پوشیدہ ہے۔

سلطان کی عادت تھی کہ مفتوحہ شہروں میں جمعہ کے روز داخل ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ بیت المقدس فتح ہو جانے کے بعد بھی سلطان اپنے فوجی کیمپ میں مقیم جمعہ کا انتظار کر رہا تھا اور یہ جمعہ تو غیر معمولی اہمیت کا حامل تھا۔ کہ حضور سرور دو عالم ﷺ کے معراج شریف کا مذہبی تہوار بھی

جمعہ کے روز آرہا ہے اس لئے سلطان کا پروگرام یہ تھا کہ جمعہ کے روز شہر میں داخل ہو، تا کہ جمعہ اور معراج شریف کی دہری رحمتیں ہمارے شامل حال ہوں لیکن خلیفہ بغداد کی خواہش تھی کہ چاندی کا چاند تارا فوراً نصب کر دیا جائے۔ لہٰذا سلطان نے اپنے منجھلے بیٹے ملک الظاہر غیاث الدین مظفر کو خلیفہ بغداد کی خواہش پوری کرنے کے لئے بھیج دیا۔

شہزادہ ظاہر بیت المقدس پہنچا تو گلیوں سے گزرتے ہوئے شہزادہ کو دیکھنے کے شوق میں رآئی دروازوں کے پٹ نیم وار ہو گئے اور چھتوں پر رنگیں آنچل لہرانے لگے شہزادہ رنگ بدلتی رتوں کو پیچھے چھوڑتا ہوا اپنی منزل پر پہنچا حام الدین عمر، قاضی محی الدین خطیب اور سپہ سالار عماد الدین زندگی کے نائب عزالدین نے شہزادہ کا استقبال کیا۔ شہزادہ کمال احترام وعقیدت سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوا یہ بدھ کا روز تھا اور سلطان کے شہر میں داخل ہونے میں صرف دو دن باقی رہ گئے تھے۔ مسجد اقصیٰ کی بحالی کا کام زور شور سے جاری تھا۔ عیسائیوں کی یادگار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت بی بی مریم علیہا السلام کی مورتیاں اور صلیب کے نمونے ہٹا دیئے گئے تھے اور در ودیوار پر بنی ہوئی تصویریں کھرچی اور مٹائی جا رہی تھیں۔ جو اسلام کے لئے کسی طرح قابل قبول نہیں تھیں۔

شہزادہ نے محی الدین خطیب کے ہاتھوں ''ستارہ چاند'' نصب کرایا اور دعائے خیر پر یہ تقریب ختم ہوئی۔

مغرب کی نماز پڑھ کر شہزادہ اور اس کے ساتھ مجاہدوں نے واپسی کی راہ لی، شہر سے گزرتے ہوئے جب شہزادے کی سواری اس مکان کے سامنے سے گزرے جہاں عیسائی تسلط کے دور میں ان کا بڑا پادری رہائش پذیر تھا تو اس مکان میں سے ایک عورت کے چلانے کی آواز سن کر شہزادے نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور اپنے ایک ماتحت سے کہا کہ پتا کرو۔ اس مکان میں کسی مظلوم عورت پر ظلم تو نہیں ہو رہا۔ چھاپہ مارنے پر پتا چلا کہ بڑے پادری صاحب جوزف نامی جس نوجوان پادری کو اپنا نائب بنا کر خود یورپ بھاگ گئے تھے وہ کلیسا کی ایک کنواری راہبہ کو

دبوچے ہوئے اپنی ہوس کا نشانہ بنا رہا تھا۔

دوسرے دن یہ مقدمہ سلطان کی بارگاہ میں پیش ہونا تھا۔ جوزف پادری نے شہزادے کے پاؤں پکڑ لئے اور کہا کہ مجھے ایک رات عبادت کرنے کی مہلت دے دیں۔ میں یہ احسان کبھی نہ بھولوں گا نیک دل شہزادے نے پادری کی درخواست قبول کر لی وہ پادری جوزف کمرے میں چلا گیا اور کمرہ اندر سے بند کر لیا۔ دوسری صبح جب دن چڑھے تک جوزف کا کمرہ نہ کھلا تو مسلمان سپاہی دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے اندر جا کر دیکھا تو جوزف خودکشی کر چکا تھا اور اس کی نعش آج اسی جگہ لٹک رہی تھی جس جگہ وہ کل ایک کنواری راہبہ کے سامنے رنگ رلیاں منا رہا تھا۔

جوزف ساتھی پادری اور راہبہ کو دوسرے دن سلطان کی بارگاہ میں پیش کر دیا۔ اور راہبہ رو رو کر کہنے لگی اے عادل بادشاہ مجھے رہبانیت سے چھٹکارا دلایا جائے لیکن اس کا ساتھی پادری مُصر تھا۔ کہ ''جو راہبہ بن جائے وہ کبھی بھی اس راستہ کو چھوڑ نہیں سکتی''۔ راہبہ بھی جانتی تھی۔ کہ اس بارے میں کلیسا کے قوانین بہت سخت ہیں۔ جس کنواری لڑکی کے والدین اسے کلیسا کے حوالے کر دیں۔ وہ راہبہ بن کر ساری عمر بیتانے کی پابند ہو جاتی ہے لیکن راہبہ نے سلطان صلاح الدین ایوبی کے حسن سلوک سے متاثر ہو کر اسلام قبول کر لیا۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی نے اس راہبہ کو اپنی بیٹی بنا لیا اور وہ شاہی محل میں شہزادیوں کی سی زندگی بسر کرنے لگی۔

اسلام فطری دین ہے اور رہبانیت کے مخالف ہے جو لوگ تحقیق کے شغف رکھتے ہیں چاہے تو کسی بھی مذہب کے ہوں اسلام کو بطور دین فطرت خوب سمجھتے ہیں۔ تلاش حق کی راہ میں راہبہ بننے والی آخر ایک دن تلاش حق میں کامیاب ہو گئی جب سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کیا تو وہاں کے بڑے پادری ہرکولیس نے کلیسا کی ساری دولت سمیٹ کر یورپ کی طرف روانہ ہونے کی کوشش کی تو مسلمان پہرہ داروں نے اسے روک لیا معاملہ جب سلطان کی عدالت میں پہنچا تو سلطان نے پوچھا کلیسا کی دولت کا قانونی وارث کون ہوتا ہے تو ہرکولیس کے نمائندے پادری جوزف نے کہا کے بڑے پادری صاحب ہی کلیسا کی دولت کے وارث ہیں۔

Marfat.com

دربار میں موجود ایک مشیر عمادالدین الکاتب گویا ہوا۔ سلطان معظم یہ غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں۔ کلیسا کی دولت کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ قوم کی امانت ہوتی ہے پھر اپنے دعویٰ کے حق میں دلیل کے طور پر جب عیسائی مذہب کی کتاب کا حوالہ دیا تو پادری کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا لیکن سلطان نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ جب بیت المقدس کے عیسائیوں کو کوئی اعتراض نہیں تو ہم پادری بھی نہیں روکتے پھر سلطان نے ایک پروانہ عطا کیا اور پادری اپنے مختصر سے قافلے کو لے کر یروشلم سے بحیرہ روم کے ساحلی شہر ''مور'' کی طرف چل پڑا۔ قافلے نے ابھی تھوڑا ہی سفر طے کیا تھا کہ رات پڑ گئی اب ان کے پاس دو راستے تھے ایک شہری گزرگاہ جو مسلمانوں کے شہر ''رملہ'' سے ہو کر گزرتی۔ (شیر جہاں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھائی ملک عادل کی حکومت تھی) اور دوسرا خطرناک پہاڑی راستہ تھا لیکن چونکہ پادری کے دماغ پر مسلمانوں کا رعب تھا اس لئے اس نے پہاڑی راستے کا انتخاب کیا ابھی گھوڑے بڑھائے ہی تھے کہ 20 سواروں کے ایک فوجی دستے نے ان کا راستہ روک لیا۔ پادری نے فوراً سلطان کا عطا کردہ پروانہ ہوا میں لہرایا سوار دستہ کے نوجوان افسر نے آگے بڑھ کر پوچھا کیا آپ یروشلم کے پادری ہیں ہرکولیس نے اثبات میں سر ہلایا اور سلطان کا عطا کردہ پروانہ آگے بڑھاتا ہوا بولا ہمیں سلطان نے یہ پروانہ عطا کیا ہے اور ہم ''صور'' کی طرف جا رہے ہیں نوجوان افسر نے کہا ہمیں معلوم ہے اور ہم آپ ہی کی حفاظت کے لئے کھڑے ہیں ملک العادل کا حکم ہے کہ آپ کو اس خطرناک راستے سے باحفاظت نکال دیا جائے۔ پادری بولا ہم پہلی منزل سلفط شہر میں کرنا چاہتے ہیں نوجوان افسر نے کہا جیسے آپ کی مرضی میں آپ کو سلفط تک چھوڑ آتا ہوں پادری حیرت سے منہ تکنے لگا اور بولا اے نوجوان آپ کا بہت بہت شکریہ۔ سلفط یہاں سے کافی دور ہے اور ممکن ہے کہ اس کے سفر میں ساری رات لگ جائے نوجوان افسر نے پُرجوش انداز میں کہا کہ مجھے ہر حال میں اپنا فرض نبھانا ہے جو ملک عادل نے مجھے سونپا ہے۔ پادری بولا ہم تو چاہتے تھے کہ آپ زحمت نہ کریں لیکن آپ ضد کرتے ہیں تا چلیں اور ساتھ ہی سب قافلے والوں کے نوجوان افسر کے اشارے پر اپنے گھوڑوں کی بائیں موڑ

Marfat.com

لیں اور رملہ شہر والی گزرگاہ سے وہ سلفط کی جانب بڑھنے لگے رات کے تیسرے پہر وہ سلفط پہنچے، فصیل پر کھڑے پہرہ داروں نے نوجوان افسر کو سلام کیا اور قافلہ شہر میں داخل ہو گیا۔

پادری بولا ہم تو کلیسا میں آرام کریں گے۔ آپ تو غالباً قلعہ میں آرام فرمائیں گے۔

نوجوان افسر نے کہا سپاہی کبھی آرام نہیں کرتے ہم فوراً واپس رملہ جائیں گے۔ تمام قافلے والے حیران تھے کہ یہ مسلمان کسی مٹی کے بنے ہوئے ہیں کہ محض اپنے دشمنوں کو بحفاظت جنگل پار کرانے کے لئے رات بھر محو سفر رہے اور اب آرام کئے بغیر واپس ہوا چاہتے ہیں۔ پادری بھی اس جفاکشی اور ہمت مردانہ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ وقت رخصت نوجوان افسر نے اپنی انگوٹھی اتار کر پادری کو دیتے ہوئے کہا کہ جس راستے سے آپ جا رہے ہیں اس راستے میں سلطان صلاح الدین ایوبی کے بڑے بیٹے ''الملک الافضل نورالدین'' کی فوجیں آ رہی ہیں وہ آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں تو آپ میری یہ انگوٹھی دکھا کر اُن سے پناہ حاصل کر سکتے ہیں۔ اس پادری نے جب انگوٹھی دیکھی تو اس پر لکھا تھا ''الملک الظاہر غیاث الدین'' پادری حیرت کے مارے گھوم سا گیا اور پوچھا کیا آپ بھی سلطان کے فرزند ہیں۔ نوجوان نے کہا جی میں بھی سلطان عالی کا بیٹا ہوں لیکن میں اپنے آپ کو شہزادہ نہیں ایک سپاہی سمجھ کر خدمات انجام دیتا ہوں پادری دل ہی دل میں کہہ رہا تھا مسلمانوں کا یہی ایثار اور خلوص ہے جو ہر میدان میں انہیں فتح سے ہمکنار کرتا ہے۔

بزرگانِ دین کا نعتیہ کلام

مرتبہ: صلاح الدین سعیدی

تیسرا، چوتھا، پانچواں حصہ

منتظرِ طبع ہے

Marfat.com

بیبیاں پاکدامن! تاریخ و تحقیق

حضرت شیخ شہراللہ بن شیخ رحمت اللہ ''تذکرۂ حمیدیہ'' میں لکھتے ہیں۔

''حضرت پیران پیر سیّد عبدالقادر جیلانی کے دادا پیر حضرت ابراہیم ابوالحسن ہنکاری کی اولاد میں سے شیخ ابوالعلیٰ ''سیستان'' سے ''کیچ مکران'' میں آئے اور اہل کیچ مکران نے آپ کو اپنا سلطان منتخب کرلیا''۔

اُن کے بعد ان کے بیٹے سلطان رشید الدین فرمانروا ہوئے۔ اُن کے بعد اُن کے بیٹے سلطان قطب الدین کے عہد میں ''ترمذ'' سے حضرت سید احمد توختہ ترمذی بمعہ اہل وعیال ''کیچ مکران'' تشریف لائے اور سلطان قطب الدین کے بیٹے شہزادہ بہاء الدین کی شرافت ونجابت کے گرویدہ ہوکر اپنی بیٹی بی بی حاج کا نکاح ان سے کردیا۔

ان کے بطن سے تین بیٹے ہوئے۔ شہزادہ جمال الدین۔ شہزادہ ضیاء الدین۔ شہزادہ حمیدالدین حاکم۔ یہی وہ زمانہ تھا جب حضرت سید احمد توختہ ترمذی رونق افروز لاہور ہوئے۔ ادھر ان کے داماد بہاء الدین، بادشاہت اپنے بھائی شہاب الدین ابوالبقا کے سپرد کرکے اپنے بیٹیوں جمال الدین وضیاء الدین کے ہمراہ مکہ شریف گئے اور واپسی میں یمن میں انتقال کر گئے۔

اس کے بعد شہاب الدین ابوالبقا نے 2 سال حکومت کرنے کے بعد تخت وتاج اپنے بھتیجے یعنی بہاء الدین مرحوم کے بیٹے شہزادہ حمیدالدین حاکم کے سپرد کردیئے۔

شہزادہ حمیدالدین حاکم نے چند سال بڑے عدل وانصاف سے حکومت کی اور پھر بادشاہی چھوڑ دی اور اپنے چچازاد بھائی امیر تلبہ کو بادشاہی بخش کر فقیرانہ لباس زیب تن کرکے اپنے نانا جان حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی خدمت میں لاہور حاضر ہوئے اور مجاہدہ وریاضت سے صفائے باطن حاصل کی سید احمد توختہ ترمذی اپنے نواسے حمیدالدین حاکم ہی کی موجودگی میں واصل حق ہوئے اور حمیدالدین حاکم نے ہی آپ کو چلہ بیبیاں میں دفنایا (جو بیبیاں پاکدامن کی

Marfat.com

چلہ کشی کے باعث ''محلہ چلہ بیبیاں'' کے نام سے مشہور ہے اور اکبری گیٹ کے اندر واقع ہے)۔

پنجاب یونیورسٹی لاہور کی مطبوعہ ''انسائیکلوپیڈیا آف اسلام'' کی پانچویں جلد کے صفحہ 361 پر ہے قبرستان پاک دامن بیبیاں (بی بی پاکدامناں) لاہور کے مزارات و مقابر میں زمانہ دراز سے مشہور و متبرک چلا آتا ہے لیکن تاریخی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ اس قبرستان کا آغاز کب ہوا۔ حدیقۃ الاولیاء کے مصنف نے تذکرہ حمیدیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ چھٹی صدی ہجری میں کرمان سے ایک عابد، زاہد بزرگ سید احمد توختہ ترمذی (متوفی 602ھ) لاہور آ کر قیام پذیر ہوئے۔

ان کی چھ بیٹیاں تھیں۔ ا۔ حاج۔ ۲۔ تاج۔ ۳۔ نور۔ ۴۔ حور۔ ۵۔ گوہر۔ ۶۔ شہباز۔ یہ سب عابد و زاہد تھیں اپنے والد (سید احمد توختہ ترمذی) جن کا مزار محلہ ''چلہ بیبیاں'' اندرون اکبری گیٹ لاہور میں موجود ہے کی وفات کے بعد یہ صاحبزادیاں فصیل سے گھرے ہوئے لاہور کو چھوڑ کر اس علاقے میں قیام پذیر ہو گئیں جہاں اب یہ قبرستان ہے۔

یہ سب بیبیاں اس جگہ مدفون ہیں اور ان کے مزار دو احاطوں میں ہیں۔ پہلے احاطے میں بی بی حاج بی بی تاج بی بی نور کی قبریں ہیں اور دوسرے احاطے میں بی بی حور بی بی گوہر اور بی بی شہباز کی۔ یہ سب قبریں پختہ چونا گچ سے بنی ہوئی ہیں۔ پہلے احاطے میں ایک مقبرہ گنبد دار بنا ہوا ہے۔ جس کا سن تعمیر 1016ھ ہے جو میراں محمد شاہ موج دریا بخاری (1013ھ) کے بھائی سید جلال الدین حیدر بخاری کا ہے۔ عبداللہ یا محمد جمال المعروف بابا خاکی کی اولاد ان خواتین کے مزارات کی مجاور ہے۔ ان مزارات کے ساتھ سلاطین وقت نے کچھ اراضی وقف کر دی تھی۔

گورنمنٹ دیال سنگھ کالج لاہور کے پروفیسر محمد شجاع الدین، ایک تاریخی کتاب کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔ ''سلطان قطب الدین ایبک کے دور میں ایک قاضی زاہد اور شب زندہ دار عابد لاہور میں اقامت گزین تھے آپ کا نام سید احمد توختہ ترمذی تھا آپ کی خانقاہ میں سالکان راہ تصوف روحانی منازل طے کرنے کے لئے دور دراز سے آیا کرتے تھے۔ بیبیاں پاکدامن صحیح روایت کے مطابق آپ ہی کی صاحبزادیاں تھیں جن کے مزارات ایمپرس روڈ لاہور کے ساتھ زیارت گاہ انام ہیں''۔

Marfat.com

لاہور کے مشہور ہندو مؤرخ رائے بہادر کنہیالال اپنی کتاب ''تاریخ لاہور'' مطبوعہ وکٹوریہ پریس لاہور میں لکھتے ہیں۔ ''چھٹی صدی ہجری میں کرمان سے ایک شخص سید، خداپرست، عابد وزاہد، ولی اللہ سیّد احمد توختہ ترمذی نامی لاہور میں آکر قیام پذیر ہوا۔ اس کے گھر میں 6 لڑکیاں تھیں حاج۔ تاج۔ نور۔ حور۔ گوہر۔ شہباز۔ وہ تارک الدنیا، مجرد، عابد وزاہد تھیں 602ھ میں سید احمد مرگیا لاہور کے اندر محلّہ ''چلہ بیبیاں'' میں مدفون ہوا (اس کی قبر اب تک موجود ہے۔ پہلے اس کی قبر پر مقبرہ تھا جب مہاراجہ رنجیت سنگھ نے اس کا سنگ مرمر اتروایا تو مقبرہ گر گیا۔ اس کے گرد و نواح کے قبرستان کو مسمار کر کے غلام محی الدین شاہ پیرزادہ رتہ نے اپنی حویلی بنالی اور وہ قبر اب ایک طویلے کے اندر پختہ بنی ہوئی ہے) اس کے مرنے کے بعد اس کی لڑکیاں لاہور کے حصار سے باہر جا کر قیام پذیر ہوئیں۔ اور لوگوں سے الگ یہ عبادت حق مصروف ہوئیں۔ آخر جب 615ھ میں کفار مغل (یعنی چنگیز خاں) نے بہ تعاقب سلطان جلال الدین خوارزمی کے پنجاب پر لشکر کشی کی اور لاہور رعایا بہ جرم مقابلہ و مجادلہ قتل ہوئی تو یہ بیبیاں کہ مستورہ اور مخدرہ تھیں، نہایت گھبرائیں کہ اب نامحرم لوگ آ کر ہم کو بے پردہ کریں گے اور سب نے مل کر دست دعا خدا کے حضور اُٹھائے اور کہا کہ یاالٰہی ہم کو زمین کا پیوند کردے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا زمین جا بجا سے پھٹ گئی اور وہ چھئیوں بیبیاں مع اپنی خادمہ عورت بی بی تنوری وغیرہ کے زمین میں سما گئیں اور ان کی اوڑھنیوں کے پلے ذرا ذرا زمین سے باہر رہ گئے جن پر بعد امن و چین لوگوں نے قبریں بنادیں''

''تذکرہ علمائے لاہور'' مطبوعہ 1920 کے مصنف منشی محمد دین فوق لکھتے ہیں۔

''یہ بیبیاں حضرت سید احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیاں تھیں جو چھٹی صدی ہجری کے آخر میں اپنے وطن ''کرمان'' آئے اور پھر لاہور آئے اور یہیں انکا انتقال ہوا۔ اُن کی بیٹیاں بڑی عابدہ و زاہدہ اور علم دین میں کمال درجہ رکھتی تھیں۔ 614ھ میں چنگیز خانی لشکر جلال الدین خوارزمی کے تعاقب میں تاخر کرتا ہوا لاہور پہنچا تو اسے بھی تاراج کیا۔ بیبیوں نے خدا کی درگاہ میں التجا کی کہ ہمیں نامحرموں کی دست برد سے محفوظ رکھ چنانچہ زمین نے انہیں اپنے اندر چھپالیا''۔

مشہور ماہر انساب، مورخہ اور محقق پیر غلام دستگیر نامی اپنے رسالے ''بیبیاں پاکدامن کے نسب اور لاہور آمد کی تحقیق''، مطبوعہ نومبر 1935 میں رقمطراز ہیں۔

Marfat.com

''شہر لاہور کے جنوب مشرق کی طرف قلعہ گوجر سنگھ اور ایمپرس روڈ کے مشرق کی جانب ایک مشہور مزار بنام ''خانقاہِ بیبیاں پاکدامن'' واقع ہے جن بیبیوں کے یہاں مزارات ہیں وہ معتبر تاریخی نوشتوں کے مطابق حضرت سیّد احمد توختہ ترمذی کی صاحبزادیاں ہیں سید صاحب کا مزار اندرون اکبری دروازہ چوک نواب صاحب کے ساتھ محلّہ ''چلہ بیبیاں'' میں ہے (یہ چلہ خانہ انہیں بیبیاں پاکدامن کا ہے)۔ علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے بعد اس کے بہادر بیٹے جلال الدین خوارزم شاہ نے 1230ء میں باپ کی بیٹی اور تلوار زیب تن کی اور چنگیزی ترکوں سے یکسوئی حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کا رُخ کیا۔ دریائے سندھ کے کنارے اس کا کثیر التعداد غنیم سے مقابلہ ہوا۔ صبح سے شام تک وہ بڑی مردانگی سے لڑتا رہا جب اس نے دیکھا کہ وہ اپنا قلیل جماعت کے ساتھ مقابلے میں پورا نہیں اُتر سکتا تو اُس نے ایک نہایت بے جگرانہ حملہ کیا اور زرہ وغیرہ پھینک کر دریا میں گھوڑا ڈال دیا ہمراہیوں نے بھی اس کی متابعت کی۔ کئی ڈوبے اور کئی دشمن کے تیروں کی نذر ہو گئے مگر وہ پار اُترنے میں کامیاب ہو گیا۔ 'ور لڑتا بھرتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ سلطان شمس الدین التمش کے عہد میں لاہور پر قابض ہو گیا۔ اس کے تعاقب میں چنگیز خان کا جرنیل ''ترتائی'' کئی ہزار سوار لے کر لاہور پہنچا اور اسے تاخت و تاراج کر دیا۔ اس فوج کے چلے جانے کے بعد جلال الدین خوارزم ایران کی طرف لوٹا اور اپنے باپ کی عظیم الشان سلطنت کا بہت سا حصہ واپس لینے میں کامیاب ہو گیا۔ مگر 1231ء میں اس کی قسمت پھر زوال پذیر ہو گئی اور اسے ''کردوں'' کے ایک گاؤں میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ اس کے بعد ''خاندان غلاماں'' کے بادشاہ مسعود علاء الدین کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پھر حملہ کیا کئی ہزار مسلمان شہید ہوئے اور قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ یہی وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت سیّد احمد ترمذی کی صاحبزادیاں لاہور میں موجود تھیں جب انہوں نے اپنی عزت خطرے میں دیکھی تو خدا سے دعا کر کے پیوند زمین ہو گئیں''۔

قارئین کرام ٦ مستند تاریخ نوشتوں سے بیبیاں پاکدامن کے مختصر حالات زندگی، خاندانی پس منظر اور ان کے عہد کے سیاسی حالات آپ کی خدمت میں پیش کئے گئے۔

اب بعض ان پڑھ، جاہل، ملنگ، نشئی لوگوں اور عورتوں کی پھیلائی ہوئی من گھڑت

Marfat.com

افواہوں کے قلعی کھولنے کے لئے چند منطقی معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں تا کہ آنکھیں کھلی رکھنے والے قارئین قوت فیصلہ کو کام میں لائیں۔

☆ بیبیوں کے نام خود اس حقیقت کا اعلان کر رہے ہیں کہ وہ عربی نہیں عجمی نام ہیں خاص طور پر گوہر اور شہباز نام تو آج تک کسی عرب عورت کے سننے میں نہیں آئے۔ اور پھر نام کے ساتھ لفظ ''بی بی'' تو عجمی عورتوں کی خاص شناخت ہے۔

☆ عرب اور لاہور میں اُس وقت کسی قسم کے سیاسی، معاشرتی یا تجارتی تعلقات کا نام و نشان تک نہ تھا اور نہ ہی آمد و رفت کے متعین ذرائع تھے۔

☆ تاریخ کی بڑی بڑی کتابوں میں سے کسی کتاب میں یہ بات مذکور نہیں کہ نویں محرم کو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا ساتھ چھوڑ کر کوئی میدان کربلا سے نکلا ہو۔

☆ اکبری گیٹ لاہور کے اندر محلّہ ''چلہ بیبیاں'' بھی اس حقیقت کی طرف بلیغ اشارہ ہے کہ وہ لاہور ہی میں مقیم تھیں اور ''چلہ بیبیاں'' اُن کے چلہ کی وجہ سے نام پڑ گیا تھا بعد میں وہ موجودہ مقام پر آ گئیں جہاں ان کے مزارات ہیں۔

☆ افواہ سازوں نے ایک بی بی کا نام حضرت رقیہ بنت علی مشہور کر رکھا ہے حالانکہ حضرت سیّدہ رقیہ بنت علی رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک شام کے دارالحکومت دمشق میں موجود ہے اور لاکھوں لوگ اپنی آنکھوں سے اس کی زیارت کر رہے ہیں۔ (اگر کسی کو ثبوت درکار ہو تو ہم روضہ مبارک کی تصویر بھی پیش کر سکتے ہیں)

☆ واقعہ کربلا کے وقت یعنی 61ھ میں لاہور میں کوئی مسلمان آباد ہی نہیں تھا جس کی طرف یہ بیبیاں ہجرت کر کے آتیں۔ لاہور کا ذکر کتابی دنیا میں سب سے پہلے 372ھ میں اس وقت آیا جب ایک عرب سیاح نے اپنی کتاب ''حدود العالم'' میں لکھا کہ ''لہور شہر کے متعدد اضلاع ہیں اور اس کا حاکم امیر ملتان کا نائب ہے اس میں بازار اور بت خانے ہیں اس میں چلغوزہ، بادام اور ناریل کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں یہاں کے لوگ سب بت پرست ہیں ایک بھی مسلمان نہیں''۔ (حدود العالم 372ھ انگریزی ترجمہ منواسکی مطبوعہ لندن 1937ء صفحہ 89) نوٹ: اگر اتنی عظیم مسلم خواتین کے یہاں مزارات ہوتے تو حدود العالم کا مصنف ضرور ذکر کرتا)

Marfat.com

☆ یہ بھی مشہور کیا جاتا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش یہاں گھٹنوں کے بل چل کر آیا کرتے تھے اور یہاں انہوں نے چلہ بھی کیا۔ اگر ایسا ہوتا تو ضرور حضرت داتا گنج بخش اپنی کتاب کشف المحجوب میں ان کا ذکر کرتے کیونکہ آپ نے دیگر بزرگوں کا ذکر کیا ہے تو حضرت علی کی بیٹیوں کا ذکر کیوں نہ کرتے۔

☆ اگر کربلا سے اہل بیت کی کسی شہزادی نے نکلنا ہی ہوتا تو مدینہ پاک یا مکہ شریف یا کسی اور عرب علاقہ مثلاً عراق یا شام وغیرہ آسانی سے جا سکتی تھیں کیونکہ ان علاقوں کے باہمی تجارتی و معاشرتی روابط بھی تھے اور ذرائع آمد و رفت بھی موجود تھے۔

☆ سب سے بڑی بی بی حاج زوجہ سلطان بہاء الدین والی کیچ مکران کے بیٹے شہزادہ حمید الدین حاکم جو بادشاہی چھوڑ کر فقیر ہو گئے تھے اپنے نانا حضرت سید احمد توختہ ترمذی کے وصال کے بعد ان کی وصیت کے مطابق حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس پہنچے اور کسب فیض کیا حضرت زکریا ملتانی نے آپ کو اپنی بیٹی فاطمہ کا رشتہ بھی دیا اور اُن کے بطن سے حضرت نور الدین پیدا ہوئے جن کا مزار ''مومبارک'' ضلع رحیم یار خاں میں ہے۔

انہیں پیر نور الدین رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے حضرت پیر عبدالعزیز تھے اور حضرت پیر عبدالعزیز کے پوتے حضرت عبدالجلیل بندگی قطب العالم ہیں۔ جن کے حالات زندگی پر کتاب ''تذکرۂ قطبیہ'' 1935ء میں لاہور سے شائع ہوئی تھی۔ یہ بزرگ حضرت عبدالجلیل سرکار دو عالم ﷺ کے اشارہ غیبی سے لاہور کے علاقے کوٹ کروڑ (موجودہ میکلوڈ روڈ) تشریف لائے اور ہزاروں لوگوں کو راہِ ہدایت دکھائی میکلوڈ روڈ پر آج بھی آپ کی خانقاہ موجود ہے۔ ماہر انساب پیر غلام دستگیر نامی 1935 میں جب حضرت سید احمد توختہ ترمذی کے شجرہ پر تحقیق کی تو اس وقت بی بی پاکدامن سیدہ حاج کی اولاد میں سید منور شاہ اور سید اظہر حسن زاہد بی اے مدیر روزنامہ زمیندار لاہور میں موجود تھے اور انہیں کے شجرہ سے حضرت نامی نے مدد لی تھی۔

آج بھی یقیناً ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ ضرور موجود ہوں گے۔ اتنے روشن دلائل کے باوجود اگر کوئی نہ مانے تو اُسے ''میں نہ مانو'' کا وظیفہ مبارک۔

Marfat.com

حضرت نظام الدین اولیاءاور اصلاح معاشرہ

سلسلہ عالیہ نظامیہ چشتیہ کے بانی اور شیخ اسلام والمسلمین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ خلیفہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اصلاح معاشرہ کے ضمن میں جو عالی قدر خدمات انجام دیں۔ وہ ہماری خانقاہی تاریخ کا سنہرا باب ہے۔ آج کی نشست میں ہم اُس دور کی بگڑی ہوئی صورت حال اور اُس ماحول میں آپ کی انقلابی جدوجہد کا اجمالی جائزہ لیتے ہیں۔

جس وقت آپ پاکپتن شریف سے خرقہ خلافت لیکر دہلی آئے تو اُس وقت غیاث الدین بلبن تخت دہلی کی رونق تھا۔ جو غالباً 664 ہجری سے حکومت کر رہا تھا۔ یہ بڑا نیک دل حکمران تھا یہی وہ خوش نصیب بادشاہ تھا۔ جو حضرت بابا فرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتہائی عقیدت مند تھا اور اِس نے اپنی شہزادی حضرت بابا فرید کے عقد میں دیکر آپ سے قرابت کا فخر حاصل کیا تھا۔ اس سلسلے میں اس کا قول مشہور ہے کہ ''قیامت کے دن میں اس بات پر فخر کرونگا کہ میں حضرت بابا فرید کا رشتہ دار ہوں''۔

غیاث الدین بلبن حضرت بابا فرید کی نسبت سے آپ کا بھی معتقد تھا اور اس کی حکومت کی بہت سے اہلکار بھی آپ کے مرید تھے۔ غیاث الدین بلبن کا 22 سالہ دور ہندوستان کا اچھا دور شمار ہوتا ہے۔ اہل حکومت کی خوش عقیدگی کا عوام پر بھی گہرا اثر تھا اور معاشرہ میں نیکی اور اصلاح کا عنصر موجود تھا۔

لیکن 686ھ میں بلبن کے انتقال کے بعد جب بلبن کا 17 سالہ پوتا معزالدین کیقباد برسر اقتدار آیا تو اس انگین مزاج نوجوان نے اپنے نیک دل دادا کی ساری محنت پر پانی پھیر دیا۔ علماو صوفیا کی صحبت ترک کردی چاپلوسی اور خوشامدی وزیروں اور مشیرون نیز عیاش یاروں

دوستوں نے کچی عمر کے اس شہزادے کا مزاج بگاڑ کر رکھ دیا۔ کیقباد نے عیش وطرب کے تقاضے پورے کرنے کیلئے اور نفس امارہ کو تسکین پہنچانے اور سفلی خواہشات کی تکمیل کیلئے دریائے جمنا کے کنارے ایک پرفزا مقام ''کیلوکھڑی'' مین اپنا ایک خاص محل بنوایا اور ملک بھر کی حسینوں اور مہ جبینوں کو وہاں اکھٹا کرلیا۔ جیسے ہی عیاشی کا یہ اڈہ قائم ہوتو دوسرے وزیروں اور مشیروں کے دلوں میں بھی خواہشات نے چٹکیاں لینا شروع کیں اورانہوں نے بھی بادشاہ کے محل کے آس پاس اپنے محلات بنانا شروع کردیئے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا قصبہ کیلوکھڑی ایک تماشہ گاہ بن کے رہ گیا اور یہ روش چل پڑی کہ ہر کھاتا پیتا آدمی دہلی چھوڑ کر کیلوکھڑی کی طرف کھنچا چلا آتا تھا۔ پھر اس علاقے اور اس کے مخصوص کلچر کی شہرت دہلی کے باہر بھی پھیل گئی اور دوسرے شہروں سے بھی ''شوقین'' یہاں آکر ڈیرے ڈالنے لگے۔

فکر آخرت سے عاری دنیاداروں کی اس سوسائٹی کے قیام کے ساتھ ہی ہندوستان بھر کے اداکاروں، گلوکاروں، موسیقاروں، طوائفوں اور شراب کے تاجروں کو بھی کیلوکھڑی میں اپنا روشن مستقبل نظر آنے لگا ان رذیل طبقوں نے جوق در جوق کیلوکھڑی کا رخ کیا بس پھر کیا تھا شراب مہنگی ہوگی حسینوں کے نخروں میں اضافہ ہوتا گیا۔ دلالوں کے وارے نیارے ہوگئے۔ مسجدیں مرثیہ خواں ہوکر رہ گئیں خانقاہیں ویران نظر آنے لگیں۔ تعلیمی ادارے تباہ ہوگئے اشراف کی مہذب محفلیں اجڑ گئیں وضع دار لوگ ایک دوسرے کا منہ تکتے تھے خاندانی لوگ ایک دوسرے سے منہ چھپاتے تھے اور ہر طرف نیچ اور کمین قسم کے لوگوں کی رونمائی تھی۔

ایسے میں ایک دن حضرت نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کو غیبی اشارہ ہوا کہ ''یہ کون سی بہادری ہے کہ گوشہ نشین ہوگئے ہو حوصلے کی بات تو یہ ہے کہ معاشرے میں رہ کر یاد الٰہی کرو تاکہ لوگوں کی بھی اصلاح ہو''

یہ اشارہ پاتے ہی حضرت میدان عمل میں نکلے آج کے ماحول میں شاید ہم اندازہ نہ کر پائیں کہ اُس ''شاہی محلہ'' کو ختم کرنے کے لیے آپ نے دن رات کتنی محنت کی اور کتنی صبر آزما تکلیفیں اٹھائیں۔

690 میں آپ نے بھی دریائے جمنا کنارے ''غیاث پور'' نامی قصبہ میں اپنا مرکز قائم کیا اور سب سے پہلا انقلابی قدم یہ اٹھایا کہ ہر خاص عام کو گناہوں سے تائب ہونے اور بیعت کرنے کی دعوت دی اس سے قبل مشائخ طریقت نے بیعت کے لیے بڑی کڑی شرائط رکھی ہوتی تھیں اور مخصوص تارک دنیا صوفی اور درویش ہی اس راہ پر چلنے کی ہمت کر پاتے تھے۔ اس کے برعکس حضرت نے عام بیعت لینا شروع کر دی جس سے گناہوں کی دلدل میں پھنسے ہوئے لوگوں کو بھی توبہ اور بیعت کا شوق پیدا ہو گیا۔ جب بھی کسی علاقے کا کوئی عیاش آدمی آپ کے آستانہ پر آ کر توبہ کرتا اور آپ اُس پر ظاہری و باطنی توجہ فرما کر۔ اس کے دل کی دنیا بدل دیتے تو وہ سابقہ گناہ آلودہ زندگی سے نہ صرف متنفر ہو جاتا بلکہ دوسروں کے لیے نمونہ عمل بن جاتا اور جب اس کے ساتھی اس کے اندر زبردست تبدیلی دیکھتے تو ان کے بھی دل پسیج جاتے اور اس طرح دیے سے دیا جلتا چلا جاتا۔

حضرت خود اپنی وعظ کی محفلوں میں فرماتے تھے کہ ''میرا تجربہ ہے کہ ہمارے مشائخ کی بیعت کے بعد بُرے سے بُرے آدمی میں بھی کچھ نہ کچھ تبدیلی ضرور دیکھنے میں آتی ہے اور کبھی کبھی مزاحیہ انداز میں فرمایا کرتے کہ میں نے یہ دولت آسانی سے حاصل کی ہے۔ لہٰذا اس لیے آسانی سے لوگوں میں بانٹ رہا ہوں۔ اور کبھی انکساری سے فرماتے ''میاں میں اس لیے ہر آدمی کو بیعت کر لیتا ہوں شاید کسی کے صدقے میری بخشش ہو جائے'' آپ کے اس طرح کے ارشادات سے لوگوں کے حوصلے بلند ہوتے اور وہ شریعت کی پابندی میں دل و جان سے لگ جاتے اور ان کے دلوں میں بے پناہ رقت پیدا ہوتی جو ان کے ظاہر وہ باطن میں انقلاب پیدا کر دیتی بعض اوقات آپ کی زبان سے نکلا ہوا ایک جملہ کس کی تقدیر بدل دیتا بعض اوقات آپ کے مریدوں کو دیکھ کر ہی لوگ گندے ماحول سے نکل کر نیکی اور پاکیزگی کی راہ کے راہی بن جاتے۔

حضرت کی محفل میں روحانیت اور نورانیت کا یہ عالم ہوتا کہ جو بھی آتا وہ آپ کے رنگ میں رنگا جاتا بڑے بڑے فاسق و فاجر لوگ خود بخود اقبال جرم کرتے اور توبہ کر کے آپ کے دامن میں پناہ لیتے اور روحانی سکون کی دولت پاتے۔ شہری، دیہاتی، کسان، مزدور، عالم، جاہل، شریف

Marfat.com

، بدمعاش، چور، ڈاکو، افسر، طالب علم، امیر، غریب، غرض معاشرے کا ہر فرد آپ کی طرف کھنچا چلا آتا تھا اور جو آپ کے دربار گہربار میں آجاتا وہ ناکام ونامراد واپس نہ لوٹتا۔

رفتہ رفتہ آپ کی شہرت امراء کے دربار تک پہنچی اور اکثر درباری امراء وروسا اور سرکاری اہلکار بھی اپنی سابقہ زندگی سے متنفر ہو کر نیکی کی راہ پر گامزن ہوئے اور آپ کے دامن سے وابستہ ہو کر روحانی دنیا سے آشنا ہو گئے۔

آپ کا اثر ورسوخ دن بدن بڑھتا جاتا تھا اور دنیادار لوگ آپ کی مقبولیت سے خائف رہتے تھے۔ کیقباد تو اپنی گمراہی کے سبب حضرت کے فیضان نظر سے محروم ہی رہا۔ البتہ اس کی حکومت کے کئی عہدیدار اس حد تک حضرت سے فیضیاب ہوئے کہ شراق وچاشت اور تہجد کے پابند ہو گئے الغرض آپ نے تمام تر خلوص ومحبت کے ساتھ ایسے انداز میں اصلاح احوال کا نازک کام انجام دیا کہ ایک عام آدمی سے لیکر حاکم وقت تک آپ کے فیضان سے اپنا حصہ لیتے رہے کیقباد کے بعد 690 میں خلجی خاندان تخت دہلی کا وارث ہوا۔ فیروز شاہ خلجی ابراہیم خلجی اور علاؤالدین خلجی آپ کے بڑے معتقد تھے اور علاء الدین کے 2 بیٹے خضر خان اور شادی خان تو آپکے بڑے پکے سچے اور مخلص مرید تھے اور راہ طریقت میں بڑا مقام رکھتے تھے۔

1969ء میں مرکزی اردو بورڈ لاہور نے ضیاالدین برنی کی فارسی کتاب تاریخ فیروز شاہی کا اردو ترجمہ شائع کیا تھا۔ جس کے صفحہ نمبر 500 پر مترجم ڈاکٹر سید معین الحق نے اس سنہری دور کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

اگر حضرت کے مریدوں میں سے کسی سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی تو اسے جدید بیعت کرنا پڑتی تھی۔ لہٰذا اس شرم ساری سے بچنے کے لیے لوگ گناہوں سے اجتناب کرتے تھے۔ اور عبادت کی طرف راغب رہتے تھے۔ مرد، عورتیں، بوڑھے، نوجوان اور بچے سب نماز پڑھنے لگے تھے۔ آپ کے ارادت مندوں کی اکثریت چاشت اور اشراق تک کی پابندی ہو گئی تھی۔ مخیر حضرات نے شاہراہوں پر لکڑیوں کے چبوترے اور چھپر بنوا دیے تھے اور کنویں کھودا دیے تھے اور پانی کے گھڑے اور مٹی کے لوٹے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ تاکہ دور دراز سے آنے والے مریدوں کو

Marfat.com

سہولتیں پہنچائیں۔ان چھپروں میں نفل پڑھنے والوں کا ہمیشہ ہجوم رہتا تھا۔اور آپس میں اکثر چاشت ، اشراق ،زوال ، اوابین اور تہجد ک مسائل موضوع سخن بنے رہتے تھے اور لوگ ایک دوسرے سے یہی پوچھا کرتے تھے کہ صبح کون سی نماز کا وقت کب شروع ہوتا ہے۔نمازوں میں کونسی سورتیں پڑھنا افضل ہے۔کس وقت کتنے درود شریف پڑھنے کی کیا فضیلت ہے۔نفل کس کس وقت میں افضل اور کب مکروں ہیں کونسی نفل نماز کی کتنی سے کتنی تک رکعتیں پڑھی جاسکتی ہیں۔

نئے مرید پُرانے مریدوں سے معلومات حاصل کرتے اور پُرانے مرید شوق سے یہ فریضہ ادا کرتے کسی کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ وہ کسی کی چغلی کھائے۔غیبت کرے جو حکومتی عہدیدار حضرت کے دست بیعت ہوئے وہ ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے بڑے اہتمام سے رکھتے تھے۔رمضان میں مسجدوں کے علاوہ لوگ اپنے گھروں اور ڈیروں پر بھی تراویح میں ختم قرآن کیا کرتے تھے۔

تاجروں کا اخلاق بلند ہوگیا تھا۔ذخیرہ اندوزں ،کم تولنا،جھوٹ اور دھوکہ دہی قطعی طور پر ختم ہوگی تھی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاالعلوم اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی کشف المحجوب اکثر لوگوں کے مطالعہ میں رہتی تھی۔ان کے علاوہ قوت القلوب عوارف المعارف، شرح تعرف،رسالہ قشیریہ،مرصاد العباد،مکتوبات عین القضاۃ اور ایسی ہی دیگر کتابوں کی مانگ میں روز بروز اضافہ ہوتا تھا۔مصنف کہتے ہیں۔میں خود ذاتی طور پر کسی ایسے مریدوں کو جانتا ہوں جو حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض صحبت کے باعث خود صاحب کشف وکرامت ہوگئے تھے۔

Marfat.com

حضرت سید محمد گیسودراز قدس سرہ العزیز

آپ کا اسم شریف سید محمد تھا۔ آپ 4 رجب 721 ہجری کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے لقب گیسودراز کا پس منظر بیان کرتے ہوئے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

آپ کے گیسوئے مبارک زانوؤں تک دراز تھے۔ ایک روز اپنے پیر و مرشد کی پالکی کندھے پر لئے جا رہے تھے کہ آپ کے گیسوئے دراز پالکی کے پائے میں اُلجھ گئے۔ جس سے آپ کو بہت تکلیف ہوئی لیکن ادب کے باعث پالکی کو نہ روکا۔ جب پیر و مرشد نے آپ کے اس جذبہ عشق و اخلاص کو دیکھا تو فرمایا:

ہر کہ مرید ''سید گیسودراز'' شد
واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد

یعنی جو بھی گیسودراز کا مرید ہوگا وہ ضرور عاشق صادق ہوگا۔

بس اسی دن سے آپ گیسودراز مشہور ہو گئے۔ آپ کے والد گرامی حضرت سید یوسف حسینی حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید باصفا اور اپنے پیر بھائی چراغ دہلی حضرت نصیرالدین محمود کے فیض یافتہ تھے۔

ابھی آپ سات سال کے تھے کہ حضرت سید یوسف حسینی دہلی سے دولت آباد نقل مکانی کر گئے۔ وہیں آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی کتابیں شروع کیں۔ 15 سال کی عمر تک آپ کا قیام ''دولت آباد'' میں رہا پھر والد بزرگوار کی رحلت کے بعد والدہ ماجدہ کے ساتھ واپس دہلی آ گئے اور حضرت نصیرالدین چراغ دہلی کے حلقہ ارادت میں شامل ہو گئے۔ علوم ظاہری مولانا اشرف الدین کیتھلی مولانا تاج الدین دہلی اور قاضی عبدالمقتدر سے حاصل کئے اور پیر و مرشد کی صحبت میں روحانی منازل طے کرتے رہے۔ قریب قریب 4 سال میں آپ نے مروجہ نصاب تعلیم

Marfat.com

مکمل کرلیا اور 20 سال ریاضت ومجاہدہ کیا۔ ابتداء میں آپ موسیقی کے ساتھ قوالی سنا کرتے تھے جب پیر ومرشد کو خبر ہوئی اور انہوں نے ناراضگی کا اظہار فرمایا تو آپ نے ہمیشہ کے لئے موسیقی کے ساتھ قوالی سننا ترک کر دیا۔

آپ نے 20 برس کے قریب پیر ومرشد کی خدمت انجام دی۔ آپ آدھی رات کو اُٹھ کر وضو کرتے پھر پیر ومرشد کو وضو کراتے۔ جب پیر ومرشد وظائف میں مشغول ہو جاتے تو آپ نمازِ تہجد ادا کرتے۔ اس کے علاوہ پانچوں نمازوں کے وقت آپ پیر ومرشد کو وضو کرایا کرتے تھے۔ آپ کے شیخ نے کس طرح آپ کی تربیت فرمائی یہ خود آپ کی زبانی سنئے۔

''شیخ الاسلام حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلی نے مجھ عاجز کے حال پر کمال شفقت فرمائی۔ شیخ نے مجھ سے ریاضتیں اس طرح بتدریج کرائیں کہ طبیعت پر ذرہ برابر ناگواری محسوس نہ ہوتی تھی۔ ایک روز حضرت شیخ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ تم صبح کی نماز کے لئے جو وضو کرتے ہو وہ بعد طلوع باقی رہتا ہے یا نہیں۔ میں نے عرض کیا جی ہاں باقی رہتا ہے۔ فرمایا اچھا ہوا گر تم اسی وضو سے دوگانہ اشراق پڑھ لیا کرو۔ میں نے عرض کیا بہت اچھا، پھر فرمایا دوگانہ شکرانہ، استخاذہ واستعاذہ بھی پڑھ لیا کرو۔ چند روز بعد فرمایا چاشت کی چار رکعت بھی ملا لیا کرو۔ میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا حضرت نے فرمایا شعبان میں بھی؟ میں نے عرض کیا شعبان میں صرف 9 روزے رکھتا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ اگر اکیس روزے اور رکھ لیا کرو تو تمہارے پورے تین مہینے کے روزے ہو جایا کریں گے۔ میں شوال میں روزے بھی رکھا کرتا تھا انہیں ایام میں قدمبوسی کے لئے حاضر ہوا تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے تھے۔ صوم دوام رکھا کرتے تھے تم بھی صوم دوام رکھا کرو۔ (ملفوظات جوامع الکلام) 757 ہجری میں آپ کو خلیفہ نامزد کر کے حضرت چراغ دہلی بہشت سدھار گئے۔

آپ بیعت کرتے وقت اپنا دایاں ہاتھ مرید کے ہاتھ پر رکھ کر فرماتے تم نے اس ضعیف اور اس ضعیف کے خواجہ، اور خواجہ کے خواجہ اور تمام مشائخ سلسلہ سے عہد کیا ہے کہ ہمیشہ نگاہ اور زبان کی حفاظت کروں گا اور طریقہ شریعت پر قائم رہوں گا۔ تم نے اسے قبول کیا؟ مرید عرض

Marfat.com

کرتا ہاں میں نے قبول کیا۔آپ فرماتے الحمدللہ رب العالمین۔

46 سال کی عمر میں آپ نے والدہ کے اصرار پر سید احمد ابن سید جمال الدین مغربی کی بیٹی سے شادی کی۔

800 ہجری تک آپ دہلی میں ہی سجادہ نشین رہے لیکن 801ء میں جب امیر تیمور دریائے اٹک عبور کر کے پنجاب میں داخل ہو گیا تو آپ گوالیار چلے گئے اور وہاں سے 90 سال کی عمر میں ایک بار پھر دولت آباد آ گئے جہاں سے آپ 65 سال قبل پندرہ سال کی عمر میں والدہ کے ساتھ دہلی گئے تھے۔

سلطان احمد بہمنی کو آپ کی دولت آباد آمد کا پتہ چلا تو اس نے دولت آباد کے گورنر کو ہدایت کی کہ حضرت گیسو دراز کو ''گلبرگہ'' تشریف لانے کی درخواست پیش کرو۔ حضرت نے درخواست قبول کی گلبرگہ تشریف لے گئے اور شاہی قلعہ کے پیچھے واقع خانقاہ میں مرکز رشد و ہدایت قائم کیا۔

گلبرگہ تشریف لانے کے بعد آپ کا معمول یہ تھا کہ فرض نماز مسجد میں ادا کر کے سنتیں باہر پڑھا کرتے تھے۔ نماز اشراق، چاشت، اوّابین اور تہجد پابندی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے آخر عمر میں ضعف و پیرانہ سالی کی وجہ سے بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ مریدوں کو ہدایت تھی کہ اوراد معمولہ کے علاوہ نماز اشراق کی چھ رکعتیں قضا نہ ہونے پائیں۔

اشراق کی نماز پڑھ کر اپنے بیٹوں کے ساتھ کھانا تناول فرما کر علم تفسیر و حدیث کا درس دیا کرتے تھے۔ دوپہر کو قیلولہ فرما کر بعد ظہر تلاوت قرآن معمولات میں سے تھا۔ مغرب کی نماز کے بعد اوّابین و نوافل سے فراغت پا کر طالبان راہ طریقت کو تعلیم فرماتے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد مریدین و معتقدین کا اجتماع ہوتا۔ دسترخوان بچھایا جاتا۔ تقریباً چالیس پچاس آدمی شریک طعام ہوتے۔ حضرت کا معمول تھا کہ جس مرید پر زیادہ عنایت ہوتی تھی اپنے سامنے کے کھانے میں سے کچھ تناول فرما کر اس کو عطا فرما دیا کرتے تھے۔

کھانے سے فراغت کے بعد کچھ دیر گفتگو فرما کر استراحت فرماتے اور بوقت نصف شب بیدار ہو کر نماز تہجد و ذکر و شغل و مراقبہ میں مشغول ہو جاتے تھے۔ جوانی کے زمانہ میں آپ نے

Marfat.com

صوم دوام اور طے کے روزے رکھے۔ آخر عمر میں بوجہ ضعف و پیرانہ سالی صرف ایام بیض اور مخصوص ایام کے روزے رکھتے تھے۔ نماز باجماعت کے آخر وقت تک پابند رہے۔ مریدوں کو خصوصی ہدایت تھی کہ نماز باجماعت قضا نہ ہونے پائے۔

آپ 104 سال 4 ماہ اور 12 روز کی عمر پا کر 16 ذیقعد 825 ہجری کو بعد نماز اشراق واصل بحق ہوئے۔ سلطان احمد بہمنی نے آپ کے مزار پر برصغیر کا بلند ترین گنبد تعمیر کروایا جو اس کی عقیدت کا مظہر ہے۔

حضرت گیسو دراز نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف فرمائیں۔

☆۔ ملتقط تفسیر القرآن (اوّل پانچ پاروں کی تفسیر)۔ ☆۔ شرح مشارق الانوار۔

☆۔ معارف شرح عوارف (عربی)۔ ☆۔ ترجمہ عوارف (فارسی میں)

☆۔ شرح تعرف شرح آداب المریدین (عربی) ☆۔ شرح آداب المریدین (فارسی)

☆۔ خاتمہ۔ ☆ شرح فصوص الحکم۔

☆۔ شرح تمہیدات عین القضات ہمدانی۔ ☆۔ شرح رسالہ قشیریہ۔

☆۔ خطائر القدس المعروف بہ رسالہ عشقیہ۔ ☆۔ اسماء الاسرار۔

☆۔ حدائق الانس۔ ☆۔ استقامت الشریعت بطریقت الحقیقت۔

☆۔ حواشی قوت القلوب۔ ☆۔ شرح فقہ اکبر (عربی)

☆۔ شرح الہامات حضرت غوث الاعظم۔ وغیرہ

بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ حضرت سید گیسو دراز اپنی تصنیف کبھی اپنے ہاتھ سے تحریر نہ فرماتے تھے۔ کاتب سے لکھوایا کرتے تھے۔ کسی کتاب کو لکھوانے کے بعد آپ نے کبھی نظر ثانی نہیں کی اور نہ اس کو دوبارہ پڑھوا کر سنا۔

Marfat.com

دوسرا باب

اجتماعی تذکرے

Marfat.com

صدیقی بزرگانِ دین

حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما

آپ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے ہیں۔ آپ کا نام پہلے عبدالکعبہ تھا۔ ایمان لانے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن نام رکھا۔ ۲ ہجری میں غزوۂ بدر کے موقع پر آپ قریش مکہ کی طرف سے لڑ رہے تھے ایک موقع پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اُن کی زد میں آ گئے لیکن انہوں نے باپ ہونے کی وجہ سے چھوڑ دیا۔ مسلمان ہونے کے بعد جب یہ واقعہ انہوں نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سنایا تو آپ نے فرمایا بیٹا تو نے مجھے باپ سمجھ کر چھوڑ دیا مگر تو میری زد میں آ جاتا تو کبھی بھی میں بیٹا سمجھ کر تجھے نہ چھوڑتا بلکہ اسلام کا دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالتا۔

حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ ۶ ہجری میں صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمان ہوئے۔ اس موقع پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بے حد خوشی ہوئی اور انہیں اپنے پاس مدینہ شریف بلا لیا۔

اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنی بے مثال حربی صلاحیتوں کو اسلام کے دفاع کے لئے وقف کر دیا۔ جنگ یمامہ میں دشمن کے سات زبردست جنگجوؤں کو آپ نے اپنی بے مثال تیر اندازی سے ڈھیر کر دیا۔ اس کے بعد قلعہ کی فصیل کے ایک شگاف سے مسلمان اندر داخل ہونا چاہتے تھے لیکن دشمن کا ایک جانباز اور فدائی قسم کا فوجی عہدیدار اس شگاف میں تن کر کھڑا ہو گیا اور مسلمان لشکر کا راستہ روک لیا۔ ایسے میں حضرت عبدالرحمٰن اس کے مقابلے کے لئے آگے بڑھے اور اس فدائی کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور اسے راستے سے ہٹا کر مسلمانوں کا قلعہ میں داخلہ ممکن بنایا اور اس طرح جنگ یمامہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ بعض مؤرخین اور ماہرین حرب نے لکھا کہ حضرت عبدالرحمٰن عرب کے ان جنگجوؤں میں شامل ہیں

Marfat.com

جنہیں ایک ہزار کے لشکر کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔

عہد فاروقی میں حضرت خالد بن ولید کی زیر کمان غسانیوں کے خلاف لڑتے ہوئے قنسرین کے معرکہ میں جب حضرت عبدالرحمٰن نے غسانی فوج کے پانچ اہم فوجی افسروں کو ایک ایک کر کے فنا کے گھاٹ اتارا تو نامی گرامی اور بہادر غسانی بادشاہ طیش میں آ کر خود میدان میں اُتر آیا۔ حضرت عبدالرحمٰن پانچ دشمنوں سے لڑ لڑ کر اپنی کافی توانائی خرچ کر چکے تھے اور زخمی بھی ہو چکے تھے پھر بھی ایمانی قوت کو بروئے کار لاتے ہوئے غسانی بادشاہ کا چیلنج قبول کر کے پھر لڑنا شروع کیا اور جوانمردی اور استقامت کے وہ جوہر دکھائے کہ بادشاہ کو ماننا پڑا کہ ہم بادشاہ ہو کر بھی محمد عربی ﷺ کے غلاموں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ بادشاہ لڑتے لڑتے نڈھال ہو گیا اور اپنے کیمپ کی طرف پلٹا تو آپ بھی اپنے لشکر میں واپس آ گئے۔

یرموک کی جنگ میں ساٹھ ہزار غسانیوں کے مقابلہ میں حضرت خالد بن ولید نے صرف ساٹھ مسلم شہسوار تیار کئے اور ان ساٹھ نے ساٹھ ہزار کو زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ اُن ساٹھ شہسواروں میں حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر، حضرت زبیر بن العوام اور حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عبداللہ بن ابوبکر رضی اللہ عنہما

اپنے بڑے بھائی حضرت عبدالرحمٰن سے بہت پہلے مسلمان ہو چکے تھے بلکہ جوانی کے ایام میں جبکہ حضرت رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ غار ثور میں تھے تو آپ کے کھانے وغیرہ کی انتظام دہی حضرت عبداللہ بن ابوبکر اور ان کی بہن حضرت اسماء بنت ابوبکر ہی کیا کرتے تھے اور آپ کو کفار کی کارروائیوں سے آگاہ رکھتے تھے۔

حضرت عبداللہ نے فتح مکہ، حنین اور طائف میں حضور ﷺ کی زیر کمان جنگیں لڑیں۔ طائف کے محاصرے کے دوران ابو محجن ثقفی نامی کافر کا زہر آلود تیر آپ کو لگا۔

اس وقت تو زخم اتنا کاری معلوم نہ ہوا لیکن اندر ہی اندر اس کا زہر اپنا کام کرتا رہا اور ۱۱ ہجری کے ماہِ شوال میں اس کے اثر سے آپ نے شہادت پائی۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ

سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بانی حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آل میں ہوئے ہیں۔ آپ کی ولادت ۵۳۶ ہجری میں عراق سے آذر بائیجان جانے والے پہاڑی راستے پر واقع قصبہ ''سہرورد'' میں ہوئی اس نسبت سے سہروردی کہلائے۔

آپ حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ کے عقیدتمندوں میں شامل تھے اور حضرت غوث پاک بھی آپ سے بے حد پیار فرماتے تھے۔ ایک بار حضرت غوث پاک رضی اللہ عنہ نے فرمایا ''اے عمر آپ عراق کی آخری مشہور شخصیت ہوں گے''۔ آپ ۶۳۲ ہجری میں فوت ہوئے۔ حضرت شیخ سعدی، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی، سید جلال الدین بخاری اوچ شریف اور شیخ حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہم آپ کے مشہور خلفاء ہیں ویسے حضرت بابا فرید بھی آپ کو ملے اور فیض پایا۔

مولانا جلال الدین رومی جو علامہ اقبال کے فکری مرشد ہیں۔ آپ بھی صدیقی ہیں۔ ''مثنوی مولانا روم'' آپ کی وہ شاندار تصنیف ہے جس کے بارے میں مولانا عبدالرحمٰن جامی نے کہا تھا۔

مثنویٔ مولویٔ معنوی ہست قرآن در زبان پہلوی

آپ ۶۰۴ ہجری میں بلخ میں پیدا ہوئے۔ ابھی چھ سال کے تھے کہ آپ کے والد مولانا بہاء الدین آپ کو نیشاپور لے گئے۔ وہاں سے مختلف اسلامی شہروں کی سیاحت کرتے کرتے ۱۲ سال کے عرصے میں ''لارندہ'' پہنچے۔ یہاں مولانا رومی کی شادی ہوئی اور یہیں آپ کے والد مولانا بہاء الدین فوت ہوئے۔ اور یہیں آپ کے ہاں ہر ایک بیٹا بھی پیدا ہوا۔ کچھ عرصہ بعد آپ مستقل طور پر روم کے شہر قونیہ چلے گئے۔

Marfat.com

قونیہ میں مولانا روم حضرت شمس تبریزی کے مرید ہوئے اور سلوک کی منازل طے کیں۔ ہفتہ ۶ جمادی الثانی ۶۷۲ ہجری کو فوت ہوئے۔

حضرت شیخ فخر الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ

ایران کے شہر ہمدان میں ۶۰۰ ہجری میں صدیقی خاندان میں حضرت شیخ فخر الدین پیدا ہوئے حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہروردی نے آپ کو ''عراقی'' کا تخلص عطا کیا اور آپ شیخ فخر الدین عراقی مشہور ہو گئے۔ حضرت شہاب الدین عمر سہروردی نے ہی آپ کو ہند کا سفر کرنے کا حکم فرمایا۔ آپ بغداد سے ملتان آئے اور شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ سے فیضان صحبت پایا۔ حضرت بہاء الدین زکریا نے آپ کو اپنی دامادی میں لے لیا اور خلافت سے بھی نوازا۔ دمشق میں ۶۸۸ میں فوت ہوئے اور حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کے جوار میں مدفون ہوئے۔

حضرت مُلّا جیون رحمۃ اللہ علیہ

شہنشاہِ ہند حضرت عالمگیر اورنگ زیب نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے استاد حضرت شیخ احمد بن ابی سعید بن عبدالرزاق المعروف ملا جیون رحمۃ اللہ علیہ بھی صدیقی خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ سات سال کی عمر میں حافظ قرآن ہو چکے تھے اور سولہ سال کی عمر میں عالم فاضل بن چکے تھے۔ یکم ربیع الاول سے لے کر ۷ جمادی الاول تک ''نورالانوار شرح منار'' تصنیف کی۔ جب بادشاہ نے فتاویٰ عالمگیری کی تصنیف و تالیف کا کام شروع کرایا تو آپ کو نگران مقرر کیا۔ ۱۱۳۰ ہجری میں بھارت کی راجدھانی دہلی میں فوت ہوئے اور میت آبائی علاقہ امیٹھ لے جا کر دفنائی گئی۔

حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ

دہلی کے اکابر علماء سے دینی علوم پڑھ کر فارغ ہوئے تو مدینہ شریف کے شیخ طریقت حضرت شیخ یحییٰ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ کشکول کلیمی آپ کی مشہور کتاب

ے جو اردو میں منتقل ہو چکی ہے۔ ''رود کوثر'' میں شیخ اکرم نے لکھا ہے کہ اورنگزیب
گیر کا بیٹا بہادر شاہ شیعہ ہو جانے کے بعد اپنے عقائد سے تائب ہوا تو آپ ہی کا
ید ہوا تھا۔ حضرت شیخ نصیرالدین چراغ دہلی کے وصال کے بعد سلسلہ چشتیہ نظامیہ
ہم برہم ہو چکا تھا۔ آپ نے از سرنو چشتیہ سلسلہ کی شیرازہ بندی کی۔ ۴ ربیع الاول
۱۱۴ ہجری میں فوت ہوئے۔ دہلی میں آپ کا مزار شریف مرجع خلائق ہے۔

حبّ النبی حضرت مولانا فخر الدین فخر جہاں دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی خانوادہ صدیقیہ کے فرد فرید تھے۔ لفظ ''مولانا'' برصغیر میں پہلے
ہل آپ کے لئے ہی استعمال ہوا۔ آپ کے والد حضرت نظام الدین اورنگ آبادی
تھے حضرت شاہ کلیم اللہ شاہجہان آبادی کے مرید، شاگرد اور خلیفہ تھے۔ جب مولانا فخر
دین محب النبی دہلوی پیدا ہوئے تو حضرت شاہ کلیم اللہ نے ہی آپ کا نام رکھا تھا۔
مولانا فخر الدین محب النبی نے آگے چل کر ثابت کر دیا کہ دادا پیر نے ان کا نام بالکل
ٹھیک رکھا تھا۔ آپ اسم با مسمیٰ ثابت ہوئے۔

شرح وقایہ، مشارق الانوار اور نفحات الانس وغیرہ اپنے والد ماجد سے
پڑھیں، ہدایہ مولانا عبدالحکیم سے پڑھی۔ شمس بازغہ اور فصوص الحکم میاں محمد جان سے
پڑھیں۔ شاگردی کے ساتھ ساتھ والد ماجد کی بیعت بھی کی۔

لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اعتکاف کیا اور حضرت میاں
میر رحمۃ اللہ علیہ کے دربار پر تین دن رات قیام فرمایا پھر پاکپتن شریف حاضری دی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کے باطنی اشارے پر پچیس
برس کی عمر میں اورنگ آباد سے پیدل دہلی پہنچے اور تمام عمر دین متین کی خدمت
میں گزار کر ۱۱۹۹ ہجری میں فوت ہو کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ
کے پہلو میں دفن ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر

Marfat.com

عزیزی کے مقدمہ میں آپ کی دینی خدمات کو خوب سراہا ہے اور بہادر شاہ ظفر نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ آپ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ آپ یوں تو پورے ہندوستان کی مذہبی فضا پر چھائے رہے لیکن آپ کا فیض جنوبی پنجاب میں اپنے جوبن پر ہے۔ خواجہ نور محمد مہاروی آپ ہی کی روحانی امانتیں لے کر لوٹے اور شاندار خانقاہ قائم کی۔ اُن سے حضرت شاہ سلیمان تونسوی رحمۃ اللہ علیہ مرید ہوئے اور تونسہ شریف کو روحانیت کا گہوارہ بنایا اُن سے خواجہ شمس الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے فیض پایا اور سیال شریف میں عظیم خانقاہ قائم کی جہاں سے پیر سید مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی ہستی نے تربیت پائی۔ دراصل یہ سارا فیض حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایک عظیم بیٹے مولانا محب النبی فخر الدین دہلوی کا ہے۔

آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا قطب الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ ہی کی طرح تمام عمر خدمت دین کے جذبہ سے سرشار ہو کر کام کرتے رہے۔ آخری مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر آپ ہی کے مرید سعید تھے بلکہ بعض نے لکھا ہے کہ بہادر شاہ ظفر مولانا قطب الدین دہلوی کے خلیفہ مجاز بھی تھے۔ بہادر شاہ ظفر لکھتے ہیں:

مرید قطب الدین ہوں خاکپائے فخر دیں ہوں میں
اگرچہ شاہ ہوں اُن کا غلام کمتریں ہوں میں
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم میں
ولیکن اے ظفر ان کا گدائے رہ نشیں ہوں میں

آپ کی وفات ۸ محرم ۱۲۳۳ھ کو ہوئی اور اپنے والد کے پہلو میں مزار شریف بنا۔ بہادر شاہ ظفر نے آپ کے مزار کے ساتھ اپنے لئے جگہ رکھی تھی مگر جب انگریز ان کو گرفتار کر کے رنگون لے گئے تو ظفر نے پیر و مرشد کے ہجر میں یہ مقبول عام شعر کہا:

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لئے
دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں

Marfat.com

حضرت قاری عبدالملک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ عرب شریف سے سندھ اور پھر قصور تشریف لائے تھے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ حضرت خواجہ عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ روحانی فیوض و برکات کہ منبع اور قرأت قرآن کے ماہر استاد تھے۔ ان کے بیٹے حافظ خواجہ غلام مرتضٰی تھے۔

حافظ خواجہ غلام مرتضٰی رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت بلھے شاہ قصوری اور حضرت پیر سید وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں حضرت پیر وارث شاہ صاحب نے اپنی معرکہ آرا تصنیف ہیر وارث شاہ میں اس بات کا اظہار ان الفاظ فرمایا ہے۔

؎ وارث شاہ وسنیک جنڈیالڑے دا اے تے شاگرد مخدوم قصور دا اے

حضرت حافظ غلام مرتضٰی رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں سید زادوں کی کما حقہ علمی و روحانی تربیت فرمائی علم صرف، نحو، فقہ، اصول فقہ، منطق، عروض، بیان، حدیث اور علم تفسیر کی دولت عظمی سے بھی خوب ہنر مند فرمایا اس بات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ غلام مرتضٰی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں علم کے ایک بحر بے کنار تھے اس دور کے ہزاروں لوگوں نے آپ سے کسب فیض حاصل کیا اور اپنی علمی رُوحانی پیاس بجھائی۔

حضرت مخدوم حافظ غلام مرتضٰی قصوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اپنے والد عبدالملک کے علمی و روحانی فیض کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ حضرت خواجہ غلام مرتضٰی صدیقی قصوری رحمۃ اللہ علیہ کسبی لدنی اور روحانی علوم وفنون کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر حقیقت و معرفت کا بحر بے کراں تھے۔

خواجہ حافظ غلام مرتضٰی قصوری رحمۃ اللہ علیہ کے چار صاحبزادے ہیں جن کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں۔

(۱) حضرت خواجہ حافظ محمد ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ
(۲) حضرت خواجہ محمد اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ
(۳) حضرت خواجہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ
(۴) حضرت خواجہ شاہ غلام مصطفٰی رحمۃ اللہ علیہ

Marfat.com

حضرت خواجہ غلام محی الدین

حضرت خواجہ غلام محی الدین دائم الحضوری قصوری ۱۲۰۲ھ بمطابق ۱۷۸۷ء کو قصور میں پیدا ہوئے آپ کی عمر مبارک ابھی ایک سال کی تھی کہ آپ کے والد حضرت خواجہ غلام مصطفیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا ۱۲۰۳ھ بمطابق ۱۷۸۸ء میں انتقال ہو گیا ان کا مزار بھی قصور میں ہے۔

آپ کے چچا جان حضرت شیخ محمد نے بڑے احسن طریق سے آپ کو علمی و روحانی تمام منازل طے کرائیں۔ پھر آپ نے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث کی سند لی اور شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین دائم الحضوری قصوری رحمۃ اللہ علیہ اولاد کے لئے تعویذ دیا کرتے تھے۔ آپ کی کرامت مشہور ہو گئی تھی کہ جس کو فرما دیتے یہ تعویذ چاندی میں بند کرا لو اللہ تعالیٰ اس کو بیٹی دیتا ہے اور جسے فرماتے کہ یہ تعویذ چمڑے میں بندھا لو اسے اللہ تعالیٰ بیٹے کی نعمت سے نواز دیتا ہے۔ آپ کے اس فیض کی شہرت دور دور تک پھیل گئی اور اس وقت آپ کی اپنی نرینہ اولاد نہ تھی بدعقیدہ اور حاسد لوگوں نے آپ سے سوال اور اعتراض کیا کہ اگر آپ ولی اللہ ہیں اور لوگوں کو بیٹے اور بیٹیاں بانٹتے ہیں تو خود اللہ تعالیٰ سے اولاد کیوں نہیں لے لیتے۔ آپ نے فرمایا میں اللہ کی رضا پر راضی ہوں اور جاؤ میں پیش گوئی اور بشارت دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ایک سال کے بعد مجھے بھی بیٹا عطا فرمائے گا۔ جو ظاہری و باطنی علوم سے فیض یاب ہو گا۔ زمانے کا ولی ہو گا اور اپنی طبعی زندگی گزار کر دنیا سے پردہ پوشی کرے گا۔ بدعقیدہ لوگوں نے کہا کہ ایسے نہیں تم سال کے بعد اپنی بات سے انکاری بھی ہو سکتے ہو تحریری طور پر لکھ کر دو تا کہ ایک سال گزر جانے کے بعد ہم لوگوں کو بتا سکیں کہ یہ خواجہ صاحب کی تحریر ہے اور ان کی جھوٹی کرامت کا ثبوت ہے۔

آپ نے فرمایا میں پھر صرف تمہیں نہیں لکھ کر دوں گا بلکہ ساری عوام الناس

Marfat.com

ہر خاص و عام کے لئے لکھ کر دوں گا انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے اس کے بعد آپ نے ایک مختصر مگر جامع کتاب تصنیف فرمائی جو ''تحفہ رسولیہ'' کے نام سے معروف ہے۔

اس میں حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو تحریر فرمایا اور حضور ﷺ کے چند معجزے تحریر کئے اور آخر میں حضرت مولانا عبدالرسول رحمۃ اللہ علیہ کی بشارت دی اور تحریر کیا کہ اس کتاب کی تحریر کے ٹھیک ایک سال بعد مجھے اللہ تعالیٰ بیٹا عطا کرے گا۔ جس کا نام میں نے ابھی سے عبدالرسول تجویز کیا ہے جو ظاہر و باطن ہر دو علوم سے مالا مال ہوگا۔ زہد و تقویٰ میں اپنی مثال آپ ہوگا اور اپنی طبعی عمر پائے گا یہاں تک کہ ان کی عمر کا تذکرہ کرتے ہوئے لفظ ''مزید'' کہہ کر ان کی عمر مبارک بھی بتا دی گئی لفظ مرید کے ۶۱ عدد بنتے ہیں اور حضرت عبدالرسول کی عمر مبارک ۶۱ برس ہوئی۔ اس طرح ٹھیک ایک سال بعد حضرت خواجہ مولانا عبدالرسول قصوری پیدا ہوئے اور ۶۱ برس کی عمر شریف پا کر ۱۲ محرم ۱۲۹۴ھ بمطابق ۱۸۷۷ء کو بروز منگل اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور قصور ہی میں اپنے والد بزرگوار حضرت خواجہ غلام محی الدین دائم الحضوری قصوری کے احاطہ میں دفن ہوئے۔

حضرت الشاہ حافظ محمد ابراہیم

خواجہ حافظ غلام مرتضیٰ رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے ہیں آپ کا شمار اس دور کے جید علما دین اور روحانی پیشواؤں میں ہوتا ہے آپ کا حلقہ ارادت کافی وسیع تھا۔ قصور کے اس دور کے بہت بڑے رئیس حاجی رانجھے خاں آپ کے مرید تھے۔

ان کا مزار شریف بھی قصور کے بڑے قبرستان میں حضرت خواجہ غلام مرتضیٰ قصوری کے پہلو میں ہے ہر سال ۲۱-اپریل کو زیر قیادت صاحبزادہ غلام مصطفیٰ صدیقی آپ کا عرس مبارک مسلم آباد لاہور میں منایا جاتا ہے۔

آپ کی اولاد میں سے کثیر تعداد میں علمائے دین اور اولیاء و مشائخ ہوئے ہیں جن میں حضرت خواجہ حاجی محمد عثمان، مولانا غلام محمد، مولانا غلام قادر، حاجی

Marfat.com

عبدالملک، مولانا محمد امین، مولانا محمد عمر اچھروی، درویش حق الحاج بابا عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عبدالرحیم، حافظ نور احمد، مولانا عبدالغفور، مولانا عبدالمالک، مولانا غلام محی الدین، مولانا معین الدین، مولانا مفتی غلام قادر، مولانا حافظ فقیر اللہ، مولانا عبدالخالق، مولانا غلام مصطفیٰ المعروف پیر صدیقی، مولانا غلام مرتضیٰ، صاحبزادہ ڈاکٹر رحیم بخش صدیقی، مولانا کریم محی الدین صدیقی، مولانا حافظ عبدالقادر شامل ہیں۔

مناظر اسلام مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں: سنیوں کے مایہ ناز عالم دین، مناظر اور عوامی خطیب مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ علیہ شیرو کاہنہ نزد قصور ضلع لاہور میں ۱۹۰۲ء میں پیدا ہوئے مولانا کے والد مولوی محمد امین بن عبدالمالک قریشی حضرت مولانا غلام محی الدین قصوری کے خاندان میں سے تھے قرآن پاک والد مکرم سے پڑھا فارسی کتابیں مولانا صلاح الدین سے پڑھیں۔

صرف ونحو اور اصول لکھو کے فیروز پور میں مولانا محمد حسین اور عطا اللہ لکھوی سے پڑھی، منطق ومعقولات قصور کے مدرسہ فریدیہ میں پڑھی اور پھر بعض کتابیں مولانا محمد عالم سنبھلی سے مدرسہ رحیمیہ نیلا گنبد لاہور میں پڑھتے رہے کتب حدیث کے لئے آپ دہلی کے مدرسہ رحمانیہ میں داخل ہوئے مولوی محمد عبداللہ امرت سری ثم روپڑی (وہابی) سے سند حاصل کی۔

مولانا احمد علی میرٹھی سے صحاح ستہ کا مطالعہ کیا آپ ۱۹۱۸ء میں فارغ التحصیل ہو کر قصور آئے آپ نے ٹھیٹھ پنجابی زبان میں تقریروں کا آغاز کیا قرآن پاک خاص سادہ انداز میں پڑھتے اور مناظرانہ انداز سے دیہاتی عوام کے محبوب واعظ بن گئے وہابی دیوبندی آپ سے ٹکر لیتے مگر منہ کی کھا کر میدان مناظرہ سے بھاگ جاتے۔

آپ ۱۹۳۴ء میں لاہور قیام پذیر ہوئے تو آپ کی شہرت پنجاب میں پھیل گئی آپ کے موضوعات دیوبندی، وہابی، شیعہ اور مرزائی عقائد پر برق بار تنقید تھے۔

Marfat.com

اس فن میں آپ کو کمال حاصل تھا، معاندین کی کتابوں کے حوالے آپ کو ازبر تھے اور نادر کتابوں کا ایک عظیم ذخیرہ آپ کے پاس رہتا۔ آپ بڑی جرأت سے میدان مناظرہ میں پہنچتے اور مخالف فریق کو للکارتے آپ کی تصانیف میں سے مقیاس حنفیت، مقیاس مناظرہ، مقیاس خلافت، مقیاس نور، مقیاس الصلوٰۃ کے کئی ایڈیشن چھپے، مقیاس وہابیت آپ کی وفات کے بعد چھپی اور مقیاس توحید، مقیاس میلاد، مقیاس حیات، مقیاس اسلام ابھی تک مسودات کی شکل میں ہیں۔ آپ حضرت میاں شیر محمد شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور آپ کی دعا سے ہر میدان میں فتح یاب ہوئے۔

بے باک مرد حق تھا مجاہد دلیر تھا
وہ شرقپور کے شیر محمد کا شیر تھا

آپ نے ۱۵۰ مناظرے جیتے اور اپنے عقائد کے سکے بٹھا دیئے۔ اچھرہ لاہور میں دارلمقیاس تعمیر کیا۔ ماہنامہ ''المقیاس'' جاری کیا۔ جمیعۃ المسلمین قائم کی۔ المقیاس پریس لگایا۔ حضرت داتا گنج بخش کی مسجد میں سولہ سال تک خطابت فرمائی اور اپنے خطاب سے پنجاب، سندھ اور بلوچستان کے سنی عوام کو زندہ کر دیا۔

آپ بڑے جری، بہادر اور فاضل مناظر تھے آپ کے صاحبزادوں میں سے مولانا عبدالوہاب صدیقی مبلغ انگلینڈ، مولانا عبدالتواب صدیقی، مولانا سلطان باہو، مولانا فقیر محمد اور محمد ظفر آپ کے علمی جانشین ہیں۔ آپ ذیقعد ۱۳۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ مدفن اچھرہ لاہور میں ہے۔

(علماء اہلسنت و جماعت لاہور، مطبوعہ مکتبہ نبویہ، لاہور)

حضرت مولانا محمد عمر اچھروی کے فرزندوں نے تو بہت نام کمایا لیکن پوتوں میں وہ دینداری رہی نہ خدمتِ اسلام کا وہ جذبہ جواں رہا۔ البتہ ان کے تین پوتے نعت خوانی کے میدان میں خوب چمکے جب ان کو زرق برق لباس پہنے نعت پڑھتے دیکھتا ہوں تو مولانا محمد عمر صدیقی اچھروی کی باوقار سادگی یاد آتی ہے۔ ہاں مناظر اسلام کے

Marfat.com

بھائی حضرت مولانا عبدالرحمٰن صدیقی کے پوتے ابھی بھی اپنی مسند رشد و ہدایت پر متمکن نظر آتے ہیں۔ ''تحفہ رسولیہ'' کا حضرت مولانا عبدالرحمٰن صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک پوتے علامہ عبدالمصطفیٰ صدیقی نے ہی ترجمہ کیا ہے اور اس نایاب کتاب کو دوبارہ زندہ کیا ہے۔ راقم نے اس خانوادہ کی معلومات کے لئے اسی کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

شیخ الدلائل حضرت مولانا عبدالحق مہاجر مکی بھی صدیقی بزرگ تھے الہ آباد، بھارت میں پیدا ہوئے۔ بڑا نام کمایا۔ غدر کے دوران ہجرت کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے وہاں پہنچ کر روحانی مراتب میں اتنی بلندی ہوئی کہ مکہ مکرمہ کے قطب کا درجہ حاصل کیا۔ ہمارے بہت بڑے بڑے بزرگ ان سے تلمذ کا شرف پاتے رہے مثلاً مولانا ضیاء الدین مدنی، پیر جماعت علی شاہ، محدث علی پوری وغیرہ۔

مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی بھی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی آل کے ایک عظیم بزرگ ہوئے ہیں شاہجہاں بادشاہ آپ کی دینی خدمات اور خصوصاً آپ کے قلمی کام سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے روغن بادام کا ایک بہت بڑا برتن بھر کے آپ کی خدمت میں ارسال کیا کہ جب تصنیف و تالیف کا کام کریں تو اس برتن میں پیر ڈال کر بیٹھ جایا کریں کہ دماغ تر رہے اور ضعف دماغ کا خطرہ نہ رہے۔ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے ہی ''مجدد الف ثانی'' کو یہ خطاب دیا تھا۔ جس کے جواب میں حضرتِ مجدد پاک نے آپ کو 'آفتاب پنجاب' کے خطاب سے نوازا۔

قطب مدینہ حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی خلیفہ حضرت امام احمد رضا بریلوی بھی صدیقی خاندان کے چشم و چراغ ہیں اور آپ کا سلسلہ نسب مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی سے ہوتا ہوا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔ آپ کی عظمت اسی سے واضح ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مقدس مدینہ منورہ کے قطب ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

Marfat.com

لاہور کے مفتی خاندان کی پانچ سو سالہ علمی سرگزشت

حضرت مفتی محمد علیہ الرحمۃ سے مفتی غلام سرور لاہوری علیہ الرحمۃ تک

شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی کے خاندان کے پہلے بزرگ جو لاہور آئے وہ خواجہ حضرت مولانا مخدوم مفتی شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ ابن شیخ صالح ابن شیخ شہاب الدین بن حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی تھے۔ جنہیں سلطان بہلول لودھی نے 894ء میں لاہور کا سرکاری مفتی بنا کر تعینات کیا اور ذریعہ معاش کے لئے ہیبت پور کا علاقہ انعام میں دیا۔ حضرت مولانا شیخ محمد مفتی بن کر لاہور تشریف لائے تو موچی دروازہ لاہور کے اندر محلہ علاول خان میں رہائش پذیر ہو گئے۔ آج کل یہ محلہ حویلی میاں خان کہلاتا ہے۔ آپ نے اس علاقے میں اپنے علمی ماحول، خاندانی روایات اور ثقافتی ذوق کے مطابق ایک محلہ آباد کیا، جو پانچ صدیوں سے محلہ کوٹلی مفتیان کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت مولانا شیخ محمد نے منصف افتاء کی سرکاری ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اسلامی علوم کی تعلیم و تدریس کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ ساتھ ہی طریقت کے سہروردی سلسلے کی ترویج و اشاعت اور مریدین کی تربیت کا اہتمام فرمایا۔ حضرت مولانا شیخ محمد تمام عمر عہدہ افتاء پر کام کیا اور اپنی زندگی کو اسلامی و مشرقی علوم کی احیاء کے لئے وقف کر دیا۔ آپ نے سلطان بہلول لودھی کے دور میں لاہور میں وفات پائی۔ وفات کے بعد آپکے فرزند مولانا مفتی کمال الدین آپ کے سجادہ نشین ہوئے۔ سلطان سکندر لودھی آپ کا بڑا قدر دان تھا۔ وہ جب بھی لاہور آتا تو آپ کے درس میں ضرور شامل ہوتا۔ حضرت مفتی شیخ کمال الدین بھی اپنے والد ماجد کی طرح تمام عمر دین و ملت کی خدمت کرنے کے بعد جب بہشت سدھارے تو ان کے بیٹے حضرت مفتی عبدالصمد جانشین ہوئے۔ ان کے بعد ان کے فرزند مفتی عنایت اللہ اور ان کے بعد قاضی مفتی محمد طاہر لاہور کے نامور علماء میں سے تھے۔ جنہوں نے اپنی بے پناہ صلاحیتیں اہل لاہور کی دینی، علمی اور روحانی

Marfat.com

تربیت میں صرف کیں۔ وفات سے پہلے آپ نے اپنے بیٹے مفتی عبدالسلام کوکو اپنی زندگی میں ہی اپنا جانشین نامزد کر کے مسجد مفتیان کی امامت و خطابت اور انتظامی معاملات بھی سونپ دیئے تھے۔ مفتی عبدالسلام نے 25 برس تک مسلمانان لاہور کے دل و دماغ کو علم اور روحانیت سے سیراب کیا۔ مفتی عبدالسلام کا عہد (دورِ اکبری یعنی لادینی دور) بڑا پرآشوب اور فتنہ پرور تھا۔ اس دور میں جدیدیت کے مارے ہوئے ماہرین تعلیم نے مختلف علاقوں میں سر اُٹھایا اور اسلامی نظام تعلیم کے خلاف شکوک وشبہات پیدا کر کے مسلمانوں کی علمی وفکری وحدت کو نا قابل تلافی نقصان پہنچانے کی کوشش کی لیکن مفتی عبدالسلام ان تمام جدید فتنوں سے دامن بچا کر انتہائی دل جمعی اور اعتماد کے ساتھ قدیم علوم عام کرتے رہے اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر کتاب وسنت کی روشنی پھیلاتے رہے، آپ نے 1035ھ میں جہانگیر کے عہد میں انتقال فرمایا۔ آپ کے بعد آپ کی اولاد میں سے مفتی محمد جمعون، مفتی برہان الدین اور مفتی کمال الدین، شاہجہاں اور عالمگیر کے ادوار میں اپنے بزرگوں کے عظیم علمی وروحانی ورثوں کے امین رہے اور اسلامی نظام تعلیم کا علم بلند کرتے رہے۔ حضرت مفتی شیخ کمال الدین اپنے بزرگوں کی روایات کو زندہ رکھتے ہوئے توکل اور استغنا کے پابند تھے، کبھی کسی بادشاہ کے دربار میں نہیں گئے۔ آپ کی محفل میں یہ خاص بات تھی کہ علمی اور دینی باتوں کے علاوہ کبھی کسی کو دنیاوی باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ مفتی محمد تقی، حضرت مولانا شیخ کمال الدین کے بڑے بیٹے اور خلیفہ مجاز تھے۔ امیر لوگوں سے ملنا پسند نہ فرماتے، سادہ لباس پہنتے تھے اور بے پرواہ مزاج کے مالک تھے۔ 1131ھ میں محمد شاہ رنگیلا کے دور میں فوت ہوئے۔ آپ کے بیٹے مفتی محمد تقی بڑے قابل مدرس تھے، دوران تدریس طلباء کتنے ہی مشکل مسائل آپ کے سامنے پیش کرتے، آپ اُنہیں بڑی آسانی اور بے تکلفی سے حل فرما دیتے۔ آپ کے بیٹے مفتی محمد ایوب جو خواجہ ایوب کے نام سے مشہور ہوئے، اپنے دور کے بہت بڑے صوفی تھے۔ حضرت مولانا جلال الدین رومی سے گہری عقیدت اور لگاؤ رکھتے تھے اور اسی تناظر میں مثنوی مولانا روم کا درس بڑے اہتمام سے دیا کرتے تھے۔ ایک روز آپ مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے ایک شخص کسی شعر کے معانی کے بارے میں بار بار سوال کرتا رہا۔ آپ اس

Marfat.com

شعر کے معانی سمجھاتے رہے لیکن وہ مطمئن نہ ہوا۔ رات کو اس شخص نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مولانا روم سے فرما رہے ہیں کہ خواجہ ایوب ہمارے اویسی مرید ہیں، انہیں ہمارا روحانی فیضاں حاصل ہے اور وہ شعر کے جو معانی بیان کر رہے ہیں وہی درست ہیں۔ صبح کو وہ شخص نادم ہو کر حضرت خواجہ ایوب کے درس مثنوی میں حاضر ہوا اور معافی مانگ کر آپ کا مرید ہو گیا۔

آپ نے حضرت مولانا روم سے روحانی طور پر اجازت لے کر مثنوی شریف کی ایک زبردست شرح لکھی جو شرح ایوبی کے نام سے مشہور ہے اور فارسی ادب کا بہترین سرمایہ ہے۔ یہ مثنوی 1114ء میں مکمل ہوئی۔ آپ نے جمعرات 21 جمادی الثانی 1155ء محمد شاہ رنگیلے کے دور میں وفات پائی اور چھٹی صدی ہجری کے مشہور سنی عالم دین حضرت مولانا سید احمد توختہ ترمذی کی بیٹیوں (بیبیاں پاکدامن) حضرت بی بی حاج اور حضرت بی بی تاج کے مزارات کے قریب دفن ہوئے۔ حضرت بابا بھلے شاہ کے پیر و مرشد حضرت شاہ عنایت قادری آپ کے ہم عصر تھے۔

حضرت خواجہ ایوب کے فرزند حافظ رحم اللہ سہروردی 1190ھ میں شاہ عالم ثانی کے زمانے میں فوت ہوئے۔ آپ کے بیٹے مفتی محمد رحیم اللہ کا دور سیاسی عدم استحکام کا دور تھا۔ دہلی انتہائی کمزور ہو چکا تھا۔ ایران کے نادر شاہ کے حملے سکھوں، جاٹوں اور مرہٹوں کی یورش نے مغل حکمرانوں کے عصاب کمزور کر دیئے تھے۔ اس دور میں پنجاب کا حال بہت ابتر تھا۔ لاہور ان دنوں بیرونی حملہ آوروں کا تختہ مشق بنا ہوا تھا۔ جب تک احمد شاہ ابدالی کی فوجیں لاہور میں رہتیں، سکھوں کے جتھے روپوش رہتے اور جب احمد شاہ ابدالی افغانستان چلا جاتا تو سکھ لٹیرے اپنی کمین گاہوں سے نکل کر لاہور کو لوٹنا شروع کر دیتے۔ احمد شاہ ابدالی فوت ہوئے تو سردار لہنگا سنگھ، سردار گجر سنگھ، اور سردار سوبھا سنگھ نامی تین سکھ سرداروں نے لاہور میں مخلوط حکومت قائم کر لی۔ ابدالی کا پوتا شاہ زمان حملہ آور ہوا تو یہ تینوں سردار لاہور چھوڑ کر بھاگ گئے اور زمان شاہ لاہور پر قابض ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد 1216ھ میں رنجیت سنگھ پنجاب کا حکمران ہو گیا۔ آپ 1235ھ میں رنجیت سنگھ کے دور حکومت میں فوت ہوئے۔ مفتی رحیم اللہ کے بیٹے مفتی غلام محمد نے 9 ربیع الثانی 1276ء میں وفات پائی اور (بیبیاں پاکدامن) کے قبرستان میں دفن ہوئے۔ مفتی غلام سرور لاہور آپ کے

سب سے چھوٹے بیٹے تھے جنہوں نے 1244ھ میں آبائی محلہ کوٹلی مفتیان اندرون موچی دروازہ لاہور میں جنم لیا۔ آپ اپنے خاندان کے آخری فرزند تھے جنہوں نے اسلامی علوم وفنون کا علم بلند کئے رکھا۔ لارڈ میکالے نے انگریزی حکومت کی سرپرستی میں اسلامی نظام تعلیم کو ختم کرنے کے لئے یونیورسٹی، کالجوں اور اسکولوں کا جو جال پھیلایا اُسی نے مسلمان قوم کے علمی مزاج کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ بڑے بڑے دینی گھرانوں کے صاحبزادے بھی اسلامی تعلیم کو بتدریج چھوڑتے چلے گئے اور مغربی نظام تعلیم کی نذر ہو گئے۔ سرسید احمد خان نے جو چسکا مسلمانوں کو لگایا تھا۔

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ ظالم لگی ہوئی

کے مصداق وہ چسکا ایسا لگا کہ بڑے بڑے دینی اور علمی خانوادے بھی اپنے صاحبزادوں کو خود اپنے ہاتھ سے مغربی نظام تعلیم کے جہنم میں جھونکنے لگے۔ مفتی غلام سرور لاہور کے خاندان نے 5 سو سال تک بڑی شان سے مسند افتا پر فائز رہ کر عوام، حکمران، ملکی آئین ودستور اور عدالتوں کی رہنمائی کا مقدس فریضہ ادا کیا، لیکن اہل کلیسا کے نظام تعلیم نے آج ہماری عدالتی نظام اور آئین ودستور سب کچھ برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ حضرت علامہ اقبال کی بات دل کو لگتی ہے

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین مروّت کے خلاف

آپ 1244ھ بمطابق 1837ء کو لاہور کے مشہور موچی دروازے کے اندر واقع تاریخی محلے کوٹلی مفتیاں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد مفتی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ انہی سے حکمت پڑھی اور انہی کے مرید ہوئے۔ پھر اعلیٰ تعلیم کے لئے مولان غلام اللہ فاضل لاہور کے شاگرد ہوئے اور ان سے تفسیر، حدیث، فقہ، ادب، صرف ونحو، معانی، منطق، فلسفہ، تاریخ اور لغت جیسے بے شمار علوم وفنون حاصل کئے۔

تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ عرصہ لاہور کے ایک جاگیردار سردار بھگوان سنگھ کی جائیداد کے نگران رہے۔ کچھ عرصے کے بعد آپ کا ایک لائق فائق ہندو شاگرد بہادر لال کنھیا انگریز حکومت میں لاہور ڈویژن کا ایگزیکٹو انجینئر لگا تو اس نے استاد کی قدر دانی کرتے ہوئے اپنے محکمے

Marfat.com

کی ایک آسامی پر آپ کو بھرتی کر دیا۔ کچھ عرصہ آپ نے یہ ملازمت جاری رکھی لیکن آپ کی آزاد طبیعت نے نوکری کا یہ بوجھ زیادہ دیر برداشت نہ کیا اور آپ نے یہ نوکری بھی چھوڑ دی اور قرطاس وقلم کی دنیا میں آگئے جو آپ کا اصل میدان تھا۔ اس میدان میں آپ نے کارہائے نمایاں انجام دیئے اور عظیم عالم دین صاحب طرز ادیب، خوشگو شاعر مستند، مؤرخ، قابل قدر سیر نگاہ، ممتاز ماہر تعلیم، صوفی باصفا شیخ طریقت اور مسلح قوم کے طور پر تاریخ کے صفحات پر زندہ جاوید ہو گئے۔ جس وقت آپ نوکری چھوڑ کر کتابی دنیا میں آئے مسلم قوم کے لئے یہ مبارک گھڑی تھی کہ ایک ذمہ دار قلم کار قوم کو فکری اور علمی تربیت کے لئے میسر آیا اور وقت نے ثابت کر دیا کہ نوکری چھوڑنے کا آپ کا فیصلہ نہ صرف درست اور بروقت تھا بلکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور آپ کے بزرگوں اور مشائخ کی دعائیں اور توجہات شامل تھیں۔

مشیت ایزدی نے آپ کو ہندو اور انگریز کی غلامی سے نکال کر حضور اکرم ﷺ کا وارث بنا دیا۔ آپ سے سیرت، سوانح اور تاریخ نویسی کا وہ کام لیا جو قیامت تک اسلامی اور خصوصاً اردو دنیا کا قابل قدر سرمایہ بن گیا۔ آج اردو کتابوں کی کوئی لائبریری اور کوئی دکان آپ کی لکھی ہوئی کتابوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتی۔ ہر بڑے عالم دین کے علمی ذخیرے میں آپ کی تصانیف کو ایک خاص مقام حاصل ہے اور یونیورسٹی سے لے کر سکولوں کے طلبہ تک آپ کے قارئین میں شامل ہیں۔

لاہور کی مسند افتاء جو پانچ صدیوں سے آپ کے خاندان کے بزرگوں کے پاس تھی انگریز اور سکھ حکومتوں کے دور میں اس کی سیاسی اور قانونی حیثیت تو ضرور متاثر ہوئی لیکن لوگوں کے دلوں میں اس خاندان کا جو وقار اور اعتبار قائم تھا وہ اپنی جگہ رہا اور مسلمان ہر مرحلہ پر آپ سے دینی رہنمائی لیتے رہے اور آپ نے اپنی بہترین صلاحیتوں سے ہر آڑے وقت میں اپنی قوم کی مدد کی اور اپنے خاندان کا علمی وفقہی تشخص اور بھرم قائم رکھا۔

ایک طرح سے آپ کو حضرت شیخ محمد عرف میاں وڈا رحمۃ اللہ علیہ کے ''خاندان مفتیان'' کا آخری علمی چشم وچراغ بھی کہا جا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ کے بعد آپ کے خاندان میں کوئی حقیقی مفتی نہیں ہوا گو کہ لفظ ''مفتی'' کو بطور پہچان آپ کے خاندان کے لوگ آج تک استعمال کرتے ہیں۔

Marfat.com

مثال کے طور پر پاکستان ریلوے کے آفیسر مفتی محمود عالم ہاشمی، پاک فوج کے کرنل مفتی افتخار الدین، فیروز پور کے مشہور وکیل مفتی غلام صفدر فوقانی، معروف ڈرامہ نگار اور ادیب مفتی گوہر شادانی، یہ سب آپ کے اخلاف ہیں لیکن ان کے ناموں میں لفظ ''مفتی'' ایک خاندانی پہچان کے طور پر باقی رہ گیا ہے۔

حضرت مفتی صاحب مرحوم نے تمام عمر فقرِ غیور کے سائے تلے گزار دی لیکن کبھی کسی امیر نواب یا حکومتی شخصیت کی قصیدہ خوانی سے اپنے قلم کو آلودہ نہ کیا۔ آپ کا قلم جب بھی چلا قوم کو ماضی سے جوڑنے کے لئے چلا۔ اپنے بزرگوں کی روحانی امانتیں نئی نسل کو منتقل کرنے کے لئے چلا۔ علوم و فنون کے حیاء کے لئے چلا، مشرقی تہذیب کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دینے کے لئے چلا، اسلامی اور اخلاقی قدروں کی حفاظت کے لئے چلا، بزرگوں کے علمی ورثہ کو آگے بڑھانے کے لئے چلا، ترقی پسندی جدیدیت اور مغربیت کے مارے ہوئے قلماروں کے رد میں چلا، اردو شعر و ادب کی سسکتی اور دم توڑتی اصناف سخن کو آکسیجن دینے کے لئے چلا لیکن آپ نے کبھی بھی انگریزی ادب کو اردو ادب میں ڈھالنے کی کوشش نہ کی۔

آپ کے دوستوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ جس طرح مولانا الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی اور مولانا محمد حسین آزاد جیسے لوگ حکومت برطانیہ کے اشارے پر کتابیں لکھ رہے ہیں۔ اگر آپ بھی اسی طرح کتابیں لکھیں تو آپ بھی حکومت کی عنایات خسروانہ سے مستفیض ہو سکتے ہیں۔ مولانا نے غیرت ایمانی سے بھرپور جواب دیا، میں حکومت کے زیر اثر کتابیں لکھ کر ضمیر فروشی نہیں کر سکتا۔ مجھے انگریزی حکومت کی طرف سے سر اور شمس العلماء کا خطاب نہیں بلکہ اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی رضا چاہیے۔

آپ کے ایک انگریز واقف کار ڈاکٹر لائیٹر نے آپ کو پنجاب یونیورسٹی کا ایک اہم عہدہ دلوانے کی پیشکش کی لیکن آپ نے اس پیشکش کو شکریہ کے ساتھ مسترد کر دیا۔ آپ نے کرنل ہال رائڈ ڈ کی اس نئی ادبی تحریک میں شامل ہونے سے بھی انکار کر دیا جو انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں 1874ء میں انگریزوں کے سیاسی مقاصد کے لئے شروع ہوئی تھی۔

اسی زمانے میں طلبہ کے لئے انگریزی کتابوں کے اردو ترجمے ہوئے۔ ان کتابوں کی

Marfat.com

زبان درست کرنے کے لئے مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کی خدمات لی گئیں۔ایک بزم مشاعرہ قائم ہوئی۔اس مشاعرے میں مختلف عنوانات پر نیچرل اور اصلاحی نظمیں پڑھی جاتی تھیں۔انہیں تراجم کے ذریعے سے مولانا آزاد وار حالی کو انگریزی سے کچھ واقفیت ہوئی۔

کرنل ہال رائنڈ ڈ کا زمانہ اردو زبان کی ترقی کے لئے بہت اچھا سمجھا جاتا ہے لیکن ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ اردو نوازی محض سیاسی استحکام کے لئے تھی۔اصل حقیقت یہ ہے کہ اس وقت جو نظام تعلیم لایا جارہا تھا وہ کسی طرح بھی مسلم قوم کے قومی مزاج کے مطابق نہیں تھا۔تن کے اجلے من کے کالے انگریز مسلمانوں کے سیاسی زوال کے ساتھ ان کا علمی زوال بھی دیکھنا چاہتے تھے۔اس کے لئے انگریزوں کو ایسے اہل قلم کی ضرورت تھی جو ان کی پسند کی کتابیں لکھیں اور انگریزی تہذیب، ثقافت، معاشرت اور فکر و خیال کو غیر محسوس طریقے سے اردو ادب میں ڈھال کر مسلمانوں کے دل و دماغ میں اتار دیں۔لیکن حضرت مفتی غلام سرور لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ایسی کسی ادبی تحریک کا حصہ نہ بنے جو مسلمانوں کی کسی بھی پہلو سے مخالفت پر مبنی تھی۔

1884ء میں سرسید احمد خان نے علی گڑھ کالج کی چندہ مہم کے سلسلے میں پنجاب کا دورہ کیا۔یاد رہے یہ وہی دور تھا جب اکبر الہ آبادی نے سرسید احمد خان کے بارے میں کہا تھا:

نہ کوئی - کام نہ کوئی دھندا

لاؤ چندہ لاؤ چندہ

سرسید احمد خان اپنے ایک دوست خان بہادر ڈپٹی برکت علی کے گھر آئے۔خان بہادر ڈپٹی برکت علی نے موچی دروازے کے باہر واقع اپنی کوٹھی میں لاہور کے معززین کا اجلاس بلایا جس میں مفتی غلام سرور لاہوری کو بھی بلایا گیا۔جب خان بہادر نے مفتی صاحب کا تعارف سرسید سے کروایا تو سرسید آپ سے مل کر بہت متاثر ہوئے اور کہنے لگے آپ کا نام سنا ہوا تھا آج ملاقات ہوگئی۔تعارف کے بعد سرسید احمد خان نے اپنے انگریز نواز مشن کے بارے میں مفتی صاحب سے تعاون کی اپیل کی۔مفتی صاحب نے فرمایا میرا کام دین کی خدمت کرنا ہے۔میں آپ کے ساتھ

Marfat.com

تعاون نہیں کر سکتا کیونکہ آپ کے عقائد درست نہیں۔ سر سید احمد خان آپ کی دوٹوک بات سن کر لاجواب ہو گئے مزید کچھ بولنے کی ہمت نہ پڑی۔

آپ بہت ساری خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک سچے عاشق رسول ﷺ اور مدینے کی تڑپ رکھنے والے مخلص عاشق صادق تھے۔ آپ کے سینے میں ہر وقت محبت رسول ﷺ کا چراغ روشن رہتا تھا اور آپ ہمیشہ مدینے کی جدائی میں دلفگار رہتے تھے۔ آپ کی دلی تمنا تھی کہ

پائیں جگہ جو روضہ اطہر کے سامنے
گھر اپنا ہم بنالیں اسی گھر کے سامنے
گھر ہو اگر مدینے میں اپنا تو ہم رہیں
جیتے نبی کے سامنے اور مر کے سامنے

آخر آپ کی یہ تمنا پوری ہوئی۔ 53 سال کی عمر میں آپ کو حج کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ کے بھتیجے مفتی سید محمد اس سفر میں آپ کے ساتھ تھے۔

لاہو سے آپ پہلے اجمیر شریف حاضر ہوئے۔ وہاں حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضری دی۔ ایک روز یہاں قیام کرنے کے بعد بمبئی روانہ ہو گئے اور کچھ روز بمبئی کے ایک سیٹھ قاضی عبدالکریم کے خوبصورت باغ میں تعمیر شدہ ایک کوٹھی میں قیام پذیر رہے اور قاضی صاحب سے نشست و برخاست رہی اور مختلف موضوعات پر گفتگو رہی۔ وہاں سے آپ بحری جہاز کے ذریعے حجاز مقدس پہنچے، حج کا فریضہ ادا کیا اور 1307ھ کے ذی الحج کی 20 تاریخ کو آپ شہر محبت مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن ہجر مدینہ میں شہادت ہی آپ کا مقدر تھی۔ ابھی آپ راستے میں ہی تھے کہ قافلے میں ہیضہ کی وبا پھیل گئی۔ اپنی وفات سے کچھ دیر پہلے آپ نے ایک نعت کہی جس کے دو اشعار قارئین کی علمی ضیافت کے لئے پیش ہیں۔

Marfat.com

پہنچا سرور عالم کے آج گھر سرور
کھڑا ہے صورت دیوانہ زیر در سرور
اب اپنے در پہ رکھو اسے کہ آئندہ
پھرے جہاں میں نہ آوارہ دربدر سرور

یہ شعر آپ روضہء رسول ﷺ کے سامنے پڑھنا چاہتے تھے لیکن 24 ذی الحج 1307ھ بمطابق 14 اگست 1890ء کو پیغام اجل آ گیا۔ ہیضے کی بیماری میں شہید ہو گئے۔ مولانا غلام دستگیر قصوری نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اور آپ کو "میدان بدر" کے قریب دفن کیا گیا اور آپ کی یہ خواہش پوری ہوئی جس کا اظہار آپ نے اس شعر میں کیا تھا:

ارادہ ہے کہ جب طیبہ کو جاؤں یارسول اللہ
وہاں سے واپسی ہرگز نہ آؤں یارسول اللہ

اسلامی مدارس کی طالبات، معلمات اور مبلغات کے لئے انمول تحفہ

محفلِ میلاد برائے خواتین

مع

اسلام کی آئیڈیل خواتین

از صلاح الدین سعیدی

Marfat.com

سرہند سے علی پور تک

شہنشاہ ہند فیروز شاہ تغلق کا شاہی کارواں جب سرہند کے جنگلوں سے گزر رہا تھا۔ شاہی کارواں میں شامل کسی اہل نظر بزرگ نے بادشاہ سے کہا ''مجھے یہاں سے ایک برگزیدہ بندے کی خوشبو آتی ہے جو اس ملت میں یگانہ روزگار اور دین کا مجدد ہوگا'' فیروز شاہ تغلق پر اس بشارت سے سرشاری کی ایک کیفیت طاری ہوگئی اور اس نے اس کیفیت کے زیر اثر بزرگ سے وعدہ کرلیا کہ میں یہاں ایک شہر آباد کروں گا۔

دہلی پہنچ کر بادشاہ کاروبار مملکت میں ایسا الجھا کہ یہ بات اس کے ذہن سے نکل گئی کچھ عرصہ بعد بادشاہ کے پیرومرشد خانقاہ اوچ شریف (ضلع بہاولپور) کے مسند نشین حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی قدم رنجہ فرمایا تو بادشاہ پھولے نہیں سمارہا تھا آج اس کی خوش نصیبی اوج پر تھی کہ اس کے شیخ طریقت نے اس کی قلمرو میں قدم رکھ کر اس کی عزت بڑھائی تھی۔

حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تخلیہ میں بادشاہ سے کہا کہ ''جنوبی پنجاب'' کے چھوٹے زمیندار آبیانہ کی رقم دینے دہلی آتے ہیں تو انہیں سفر میں کئی کئی روز لگ جاتے ہیں لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ اوچ شریف اور دہلی کے درمیان کوئی ایسا شہر بسایا جائے کہ ہمارے علاقوں کے لوگ وہاں آبیانہ دے جایا کریں اور تمہارے اہلکار وہاں سے دہلی پہنچا دیا کریں۔ حضرت جلال الدین سرخ پوش بخاری رحمۃ اللہ علیہ بول رہے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بادشاہ ذہنی طور پر کہیں اور پہنچا ہوا ہے۔ حضرت نے پوچھا فیروز! کیا سوچ رہے ہو؟ بادشاہ نے گہری سوچ سے نکلتے ہوئے عرض کیا عالی جاہ مجھے بھولا ہوا ایک وعدہ یاد آ گیا ہے اب میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ سرہند کے جنگلوں کو صاف کروا کر وہاں ایک شہر آباد کروں گا جس سے آپ کے ارشاد پر بھی عمل ہو جائے گا اور ایک بزرگ سے کیا ہوا وعدہ بھی پورا ہو جائے گا۔

جب حضرت سید جلال الدین سرخ پوش بخاری اوچوی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید باصفا

Marfat.com

حضرت رفیع الدین فاروقی کی نگرانی میں نئے شہر کی تعمیر بڑے زور و شور سے شروع ہوئی تو حضرت شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے رفیع الدین فاروقی کو خوشخبری دی کہ جس برگزیدہ بندے کے لئے یہ شہر بسایا جا رہا ہے، وہ خوش بخت تمہاری ہی نسل میں جنم لے گا۔

پھر تاریخ نے دیکھا کہ شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے نکلی ہوئی بات تقدیر الٰہی بن کر جلوہ گر ہوئی اور حضرت رفیع الدین فاروقی کی ساتویں پشت میں شیخ عبدالاحد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں دسویں صدی ہجری میں حضرت مجدد الف ثانی نے آنکھ کھولی اور شاہی کارواں میں شامل اہل نظر بزرگ کی وہ بات پوری ہوئی کہ ''مجھے یہاں سے ایک برگزیدہ بندے کی خوشبو آتی ہے۔ جو یگانہ روزگار اور دین کا مجدد ہوگا''۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے تجدید و احیائے دین کی جو عالمگیر سیاسی تحریک چلائی تھی وہ آپ کی اولاد اور خلفاء کی حسن نیابت کی بناء پر برصغیر کے قریہ قریہ میں پہنچی اور مردہ دلوں کو نقشبندی سلوک اور توجہ سے زندہ کرتی چلی گئی۔

بارہویں صدی ہجری میں اس تحریک کی قیادت حضرت خواجہ حجۃ اللہ زبیر مجددی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ قطب الدین حیدر رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۶۴ھ مدفون سرہند)، حضرت شاہ جمال اللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۶۸ھ مدفون مدینہ طیبہ)، حضرت خواجہ عیسیٰ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۰۹ھ مدفون رامپور) جیسے روحانی سپوتوں کے ہاتھ میں رہی جو غلاموں کو شاہ اور محکوموں کو حاکم بناتی رہی اور اپنی للّٰہیت خلوص اور زندہ جذبوں کے باعث مردہ دلوں کو زندگی کے ولولے بخشتی رہی۔ ان بزرگوں کے بے شمار قابل خلفاء نے کئی صوبوں، ریاستوں اور ملکوں میں عظیم الشان خانقاہیں قائم کر کے خانقاہی نظام کی جڑوں کو مسلمانوں کے قلوب میں ثبت فرمایا۔

تیرہویں صدی ہجری میں حضرت بابا نور محمد تیراہی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۸۶ھ) مجددی فیضان کے وارث بنے۔ تیرہویں صدی کے آخر اور چودہویں صدی کے ابتدائی

Marfat.com

سالوں میں ان کے فرزند ارجمند حضرت بابا فقیر محمد چوراہی رحمۃ اللہ علیہ اپنے عظیم باپ کی روحانی اور علمی وراثت کو سرحد سے پنجاب میں لائے اور اٹک کے ایک گاؤں ''چورہ شریف'' میں اپنا مرکز قائم کر کے رشد و ہدایت کی سوغات بانٹنے لگے۔ چوراہ نامی یہ گمنام گاؤں آپ کے دم قدم سے بین الاقوامی شہرت یافتہ خانقاہ میں تبدیل ہو گیا اور طریقت کے بے شمار مسافروں کے لئے نشان منزل بنا۔

آپ کی خانقاہ سے ضلع نارووال کے ایک گاؤں ''علی پور سیداں شریف'' کے دو ہمنام اور ہم وطن اور ہم عصر سید زادوں نے ۱۴ویں صدی ہجری میں زبردست شہرت پائی۔ یہ دونوں بزرگ سید تھے۔ دونوں ایک ہی گاؤں کے رہنے والے تھے۔ دونوں پیر بھائی تھے۔ دونوں ہمعصر تھے اور دونوں کا نام ''سید جماعت علی شاہ'' تھا۔

بڑے سید جماعت علی شاہ ۱۸۴۱ء میں پیدا ہوئے اور چھوٹے سید جماعت علی شاہ ۱۸۴۹ء میں پیدا ہوئے جب یہ دونوں سید زادے حضرت بابا فقیر محمد چوراہی کے پاس زیر تربیت تھے تو دونوں کے مشترک اوصاف کے باعث بعض اوقات دونوں میں امتیاز مشکل ہو جایا کرتا تھا اس لئے حضرت باباجی نے چھوٹے سید جماعت علی شاہ کے نام کے ساتھ ''ثانی'' کا اضافہ کر دیا تا کہ دونوں میں امتیاز آسان ہو۔ اس طرح بڑے شہزادے کا نام ''سید جماعت علی شاہ'' اور چھوٹے شہزادے کا نام ''سید جماعت علی شاہ ثانی'' ہو گیا۔ جو آگے چل کر ''لاثانی'' سے تبدیل ہو گیا اور رفتہ رفتہ ''شاہ لاثانی'' ہو گیا۔

حضرت شاہ لاثانی نے خانقاہ چوراہ شریف سے جو روحانی امانت پائی تھی ساری زندگی وہ امانت امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینوں میں منتقل کرتے رہے، وقت کے بڑے بڑے نامور علماء و مشائخ نے آپ کے دستر خوان معرفت سے خوشہ چینی کی۔ پیرزاد اقبال احمد فاروقی لکھتے ہیں: ''حقیقت یہ ہے کہ بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں ایک ایسا وقت تھا کہ سارے پنجاب میں حضرت لاثانی کے تصرف کا چرچا تھا''۔

(باتوں سے خوشبو آئے، مرتبہ: صلاح الدین سعیدی)

Marfat.com

حضرت شاہ لاثانی کے چاروں بیٹے آپ کی زندگی میں ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کو پیارے ہو گئے تھے لہٰذا حضرت نے اپنے پوتے سید علی حسین شاہ نقش لاثانی کو اپنا جانشین بنایا اور اپنے اسلاف و مشائخ کی روحانی امانتیں انہیں سونپ کر ۱۹۳۹ء میں بہشت سدھار گئے۔

نقش لاثانی حضرت پیر سید علی حسین شاہ نے اس اہم اور بھاری ذمہ داری کو بڑے پُرخلوص جذبوں اور دن رات کی محنت سے نبھایا۔ آپ نصف صدی تک اپنے اسلاف کرام کی باطنی نعمتوں کے امین رہے اور اس نور باطن کو اگلی نسل تک منتقل کرتے رہے۔ ۱۹۸۷ء میں آپ نے وصال فرمایا۔

اسلاف کا نشان ہیں حضرت علی حسین
ملت کے پاسبان ہیں حضرت علی حسین

دامن میں جو بھی آیا وہ جنت میں آ گیا
گویا درِ امان ہیں حضرت علی حسین

رنج و الم کی دھوپ سے دیتے ہیں وہ امان
رحمت کا سائبان ہیں حضرت علی حسین

عشاق ان کے رکھتے ہیں جذبات طیبات
کہتے ہیں میری جان ہیں حضرت علی حسین

کیا ہو سکے گی مجھ سے سعیدؔی بیانِ شان
ادنیٰ میں، عالی شان ہیں حضرت علی حسین

Marfat.com

آپ کے دونور نظر آپ کے فیضان باطنی کے امین تھے۔ حضرت پیر سید عابد علی شاہ سجادہ نشین ہوئے اور حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ گوشہ نشین ہو گئے۔ آپ نے گوشہ نشینی میں ہی اپنے بزرگوں کا پاکیزہ روحانی مشن جاری رکھا۔

''ماہنامہ انوار لاثانی'' کے ''نقش لاثانی ایڈیشن'' اکتوبر ۱۹۸۷ء کے اڑتیسویں صفحہ پر قدیم و جدید علوم کے ماہر، شاعر و صحافی پروفیسر محمد حسین آسی مرحوم، حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''خلوص و وفا کا سراپا، تسلیم و رضا کا مجسمہ، سینہ بے کینہ اور دل صدق و صفا کا خزینہ صاحبزادہ بلند اقبال پیر سید محمد اسماعیل شاہ جو اپنے والد ذیشان کے فرزند اصغر ہیں۔ سن مبارک ۲۵ کے لگ بھگ ہو گا مگر طہارت فکر و عمل میں

ع پیروں پہ اس کے عشق کا واجب ہے احترام''

آپ نے مروجہ علوم کی باقاعدہ تحصیل تو نہ فرمائی مگر آپ کے نامور باپ نے اپنے بیٹے کی ایسے خطوط پر تربیت فرمائی تھی کہ آپ کسی دنیاوی ڈگری اور سند کے محتاج نہ رہے اس سلسلے میں رعایت لفظی سے کہا جا سکتا ہے کہ:

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے ''اسماعیل'' کو آداب فرزندی

یقیناً یہ حضرت شیخ طریقت نقش لاثانی کی نظر کا فیضان ہی تھا جس نے حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ رحمۃ اللہ علیہ کو آداب فرزندی سکھائے۔ حضرت نقش لاثانی سرکار آپ کو اپنے ساتھ دوسری مرتبہ حج و زیارت کو لے گئے اور آپ کو ''ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر'' کے پاکیزہ ماحول میں سنہری جالیوں کے سامنے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں داخل کر کے اس مقدس لڑی میں پرویا جس کا دوسرا سرا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ کل قیامت کے دن اس حسین مالا کو بارگاہ رسالت میں پیش کرنے والے ہیں۔

Marfat.com

حضرت پیر سید محمد اسماعیل شاہ کو آپ کے والد گرامی حضرت نقش لاثانی نے بیعت کرنے کے بعد روحانی توجہات سے خوب نوازا جس کے اثرات آپ کی تمام زندگی پر محیط اور حیات مستعار کے آخری لمحوں تک جاری و ساری رہے۔

آپ تصوف کے اصول اخفاء پر کاربند تھے جو بھی کام کرتے اس میں للّٰہیت کا اہتمام کرتے، کوئی جلسہ کرواتے تو اشتہار نہ چھپواتے، حج و زیارت کو جاتے تو پبلسٹی کو پسند نہ فرماتے، کسی دینی جماعت یا ادارے کو مالی امداد دیتے تو پہلے یہ منوا لیتے کہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ آپ تمام عمر انہیں سنہرے اصولوں پر گامزن رہ کر بارگاہ ایزدی میں سرخرو ہو گئے۔ رب کریم سے دعا ہے کہ ہمیں بھی ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

ماہ سے زیادہ در خشاں پیر سید اسماعیل
مہر سے بڑھ کر فروزاں پیر سید اسماعیل

مستفیضِ شاہِ خوباں پیر سید اسماعیل
محفل خوبان میں تاباں پیر سید اسماعیل

ظلمتیں تم سے گریزاں پیر سید اسماعیل
کیونکہ ہو صادق بداماں پیر سید اسماعیل

وارثِ محبوب یزداں پیر سید اسماعیل
قاسمِ فیضِ فراواں پیر سید اسماعیل

فقر کی دولت پہ نازاں پیر سید اسماعیل
غم میں بھی شاداں و فرحاں پیر سید اسماعیل

شاہسوار راہِ عرفاں پیر سید اسماعیل
بلکہ میرِ کارواں آں پیر سید اسماعیل

مرتجائے خالی دستاں پیر سید اسماعیل
اے سعیدیؔ شاہِ شاہاں پیر سید اسماعیل

راقم کو آپ کے جانشین حضرت مولانا حافظ سید کرامت علی حسین شاہ سے ایک بار ملاقات کا اعزاز حاصل ہوا جب وہ ''بیبیاں پاک دامن'' کے بارے میں میرا ایک تحقیقی مضمون پڑھ کر خوش ہوئے اور خوشی کی اس کیفیت میں مجھے ملاقات سے نوازا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں ''ماہنامہ النعیمیہ'' لاہور میں اعزازی طور پر ادارتی ذمہ داری نباہ رہا تھا۔

اس مختصر ملاقات میں حضرت کی شخصی وضع داری اور خاندانی شرافت و نجابت نے مجھے بڑا متاثر کیا اور خاص طور پر اس بات نے بڑی مسرت کا سامان پیدا کیا کہ آپ علوم اسلامیہ کے حصول کے لئے گھر بار چھوڑ کر لاہور آئے ہوئے ہیں۔ اس گئے گزرے دور میں جب کہ بڑے بڑے دینی خانوادوں کے چشم و چراغ بھی دینی تعلیم سے ہچکچا رہے ہیں حضرت کا یہ مبارک عمل یقیناً تمام پیرزادوں کے لئے تقلید کے لائق ہے۔ میری دعا ہے کہ مولائے کریم سید کرامت علی حسین شاہ کو اسم با مسمیٰ بنائے اور آپ کے وجود سے نہ صرف روحانی قدریں زندہ ہوں بلکہ علوم و معارف کے دیپ بھی جلیں تا کہ مستقبل میں ہماری نئی نسل کو گمراہ فرقوں کا یہ طعنہ نہ سننا پڑے کہ ''سنیوں کے پیرزادے اور صاحب زادے جاہل ہوتے ہیں''۔

Marfat.com

تیسرا باب

برصغیر کی شخصیات

Marfat.com

امام احمد رضا کے کلام میں
صنعتِ تضاد کا مختصر مطالعہ

''صنعتِ تضاد'' شاعری کی ایک دلچسپ صنعت ہے۔ صنعت تضاد کی تعریف یہ ہے کہ شعر کے پہلے مصرعہ میں ایک ایسا لفظ استعمال کیا جائے کہ جس کی ضد دوسری مصرعہ میں بیان ہو مثلاً پہلے مصرعہ میں اگر شمع کا ذکر ہو تو دوسرے میں پروانے کا ذکر لا کر حسن تضاد پیدا کیا جائے۔ پہلے مصرع میں اگر دن کا ذکر کیا گیا ہو تو دوسرے مصرعہ میں رات کا لفظ استعمال کر کے فنی خوبی پیدا کی جائے۔ یعنی متضاد معنوی حیثیت کے دو الفاظ کو بالترتیب شعر کے دو مصرعوں میں استعمال کرنے کی فنی اصطلاح میں ''صنعت تضاد'' کہتے ہیں۔ مثلاً پیرزادہ عبدالحمید صابری کا ایک شعر ہے۔

اُن کی آمد ہوئی ''زحمتِ'' قبر میں
مرجع ''رحمتِ'' حق لحد ہو گی

زحمت اور رحمت دو متضاد کیفیتیں ہیں جنہیں ایک دوسرے کے مقابل لا کر فنی حُسن کا اظہار کیا گیا ہے۔

سلطان محمود اپنے ایک شعر میں صنعت تضاد کو یوں بروئے کار لائے ہیں۔

دوستوں کی بھی بھلائی آپ کو منظور تھی
دشمنوں کے واسطے بھی عمر بھر اچھا کیا

دوستوں اور دشمنوں کے الفاظ دو مصرعوں میں آمنے سامنے کتنا لطف پیدا کر رہے ہیں۔

حضرت سید خلیل احمد خاکی محدث امروہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

Marfat.com

حدِ ملکوتی پہ رہے ''سارے'' فرشتے
رکنے نہیں دیتی انہیں ''وحدت'' سب معراج

پہلے مصرعے میں ''سارے'' اور دوسرے مصرعے میں ''وحدت'' لا کر صنعت تضاد کا خوبصورت اظہار کیا گیا ہے۔

اسی نعت کا ایک اور شعر ہے۔

دنیا میں تو خاکی شب غفلت سے ہے محجوب
کھل جائے گی کل روز قیامت شب معراج

اس شعر میں ''شب'' اور ''روز'' کو بطور صنعتِ تضاد لایا گیا ہے۔

ذیل میں کوٹلی لوہاراں والے بزرگ حضرت مولانا محمد بشیر رحمۃ اللہ علیہ کا ایک خوبصورت شعر ہے۔ جس میں ''تلخیاں'' اور ''مٹھائی'' کو تضاد کی صنعت کے طور پر حضرت مولانا نے بڑی مہارت فنی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔

دور ہو جائیں گی تیری ''تلخیاں''
کھا ''مٹھائی'' محفلِ میلاد کی

حضرت مولانا حسن رضا بریلوی فرماتے ہیں۔

''چڑھی'' ہے اوج پر تقدیر خاکساروں کی
خدا نے جب سے ''اتاری'' ہے بارہویں تاریخ

صنعتِ تضاد میں راقم کا ایک شعر ملاحظہ ہو۔

سایہ بڑھتا ''آ رہا'' ہے آپ کے جانے کے بعد
نور سمٹا ''جا رہا'' ہے آپ کے جانے کے بعد

حضرت امام احمد رضا نے جس طرح دیگر اصناف سخن اور فنون لطیفہ میں اپنا لوہا منوایا ہے۔ اس طرح ''صنعت تضاد'' میں بھی بڑی کامیابی سے قدم رکھا ہے۔

اسی مختصر تحریر میں قارئین کی ضیافت طبع کے لئے امام احمد رضا کے کلام میں

صنعت تضاد کا مختصر مطالعہ پیش خدمت ہے۔ جس کا مقصد یہ بھی ہے کہ امام موصوف پر تحقیقی کام کرنے والے سکالرز اس پہلو پر بھی امام احمد رضا کے کام کو روشناس کروائیں۔

(۱) بزمِ آخر کا شمع فروزاں ہوا
نورِ اول کا جلوہ ہمارا نبی ﷺ

دیکھئے پہلے مصرعہ میں لفظ ''آخر'' استعمال ہوا ہے۔ اب اس کے مقابلے میں دوسرے مصرعہ میں لفظ ''اول'' لاکر حسن تضاد پیدا کیا ہے۔

(۲) حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

ملاحظہ فرمائیں پہلے مصرعہ میں مصر کی عورتوں کا ذکر ہے۔ اور اس بات کا متقاضی ہے کہ دوسرے مصرعہ میں اس کا مقابل مذکور ہو چونکہ مصر کی عورتیں حسن و نزاکت میں مشہور ہیں اور عرب کے مرد و جاہت کے لئے مشہور ہیں لہٰذا زنانِ مصر کی ضد کے طور پر ''مردانِ عرب'' کے الفاظ دوسرے مصرعہ میں لاکر فنی حسن پیدا کیا گیا ہے۔

(۳) ہشت خلد آئیں وہاں کسبِ لطافت کو رضا
چار دن برسے جہاں ابرِ بہارانِ عرب

پہلے مصرعہ میں ہشت یعنی آٹھ کا عدد مذکور ہوا ہے۔ تو اب اس کے مقابلے میں دوسرے مصرعہ میں ۴ کا عدد لایا ہے اور آٹھ اور چار سے جو حسن پیدا کیا ہے وہ امام احمد رضا ہی کا حصہ ہے۔

(۴) زینتِ کعبہ میں ہے لاکھ عروسوں کا بناؤ
جلوہ فرما یہاں کونین کا دولہا دیکھو

اس شعر کے مصرعہ اولیٰ میں عروس یعنی دلہن کا ذکر ہے اور مصرعہ ثانی میں ''دولہا'' کا لفظ ''دلہن'' کے مقابلے میں مستعمل ہوا۔

Marfat.com

(۵) یاالٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو
شادی دیدارِ حسنِ مصطفیٰ کا ساتھ ہو

نزع کی تکلیف سب سے بڑی تکلیف ہے اور حضور ﷺ کے دیدار کی خوشی سب سے بڑی خوشی ہے۔ اس لئے پہلے مصرعہ میں نزع کی تکلیف کا ذکر کیا گیا ہے اور پھر اس کی ضد کے طور پر دیدار حسن مصطفیٰ کی خوشی کا بیان ہے۔

(۶) یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے منہ کی صبحِ جانفزا کا ساتھ ہو

قبر کی اندھیری رات ضرب المثل ہے اور اعلیٰ حضرت نے اس اندھیری رات کے مقابلے میں حضور ﷺ کے رخِ انور کو ''صبح جانفزا'' کہہ کر شعر کو صنعتِ تضاد کا شاہکار بنا دیا۔

(۷) یاالٰہی جب پڑے محشر میں شورِ داروگیر
امن دینے والے پیارے پیشوا کا ساتھ ہو

محشر کے شور اور نفسی نفسی کا ذکر تو اکثر شاعر کیا کرتے ہیں لیکن امام احمد رضا کی فنی مہارت دیکھئے کہ ''شور محشر'' کے مقابلے میں ''امن'' کتنی کامیابی سے حضور ﷺ کے دامن میں تلاش کیا ہے۔

(۸) یاالٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
ساقی کوثر شہہِ جود و عطا کا ساتھ ہو

عام طور پر پیاس کی ضد پانی ہوتا ہے لیکن مذکورہ بالا شعر کے مصرعہ اولیٰ میں چونکہ محشر کی پیاس مذکور ہے اس لئے مصرعہ ثانی میں ''پیاس'' کی ضد پانی ہیں۔ بلکہ خود حضور ساقی کوثر ﷺ کی ذات مبارکہ مذکور ہے۔

(۹) یاالٰہی گرمی محشر میں جب بھڑکیں بدن
دامنِ محبوب کی ٹھنڈی ہوا کا ساتھ ہو

Marfat.com

''گرمی'' اور ''ٹھنڈی ہوا'' ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اگر عام گرمی مراد ہوتو اس کی ضد بھی عام ٹھنڈی ہوا ہوگی جب گرمی محشر مراد ہوتو اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب ﷺ کے دامن کی ٹھنڈی ہوا اس کا مقابلہ کرسکتی ہے۔ لہٰذا شاعر موصوف نے ''گرمی محشر'' کے سامنے ''دامن محبوب کی ٹھنڈی ہوا'' کے مناسب ترین الفاظ لاکر صنعت تضاد کا حق ادا کر دیا ہے۔

(۱۰) قسمتِ میں لاکھ پیچ ہوں، سوبل، ہزار کج
یہ ساری گھتی اک تری سیدھی نظر کی ہے

مصرعہ اولیٰ میں ''لاکھ پیچ سوبل ہزار کج'' مستعمل ہیں اور ثانی میں ان کی ضد کے لئے ''اک سیدھی نظر'' کے الفاظ لائے گئے ہیں۔ اس شعر میں ایک اور فنی لطافت بھی پائی جاتی ہے کہ ''پیچ بل اور کج'' کے مقابلے میں ''سیدھی نظر'' ہے اور ''لاکھ سو ہزار'' کے مقابلے میں ''اک'' مذکور ہے۔

(۱۱) بیٹھوں جو در پاک پیمبر کے حضور
ایمان پہ اس وقت اٹھانا مرے مولا

پہلے مصرعہ میں بیٹھنے کا ذکر ہے اور دوسرے میں اٹھانے کا ذکر کر کے خوبصورتی پیدا کی گئی ہے۔

(۱۲) نامہ سے رضا کے اب مٹ جاؤ ''بُرے کامو''
دیکھو مرے پلے پروہ ''اچھے میاں'' آیا

مصرعہ اولیٰ میں ''برے کامو'' کے الفاظ تھے۔ اس لئے مصرعہ ثانی میں اپنے پیر و مرشد حضرت اچھے میاں رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کیا اور لفظ ''اچھے'' کی روایت سے وہ معنویت پیدا کی کہ کیا کہنے۔ یعنی دیکھو میرے پلے پر حضرت اچھے میاں آگئے ہیں تو اے بُرے کامو میرے نامہ اعمال سے مٹ جاؤ کیونکہ ''اچھے'' اور ''بُرے'' ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

(۱۳) تیری دوزخ سے تو کچھ چھینا نہیں
خلد میں پہنچا رضا پھر تجھ کو کیا

دوزخ اور خلد ایک دوسرے کی ضد ہیں اور اس شعر میں ان دونوں کو دو مصرعوں میں آمنے سامنے لاکر اعلیٰ حضرت نے خوب لطف پیدا کیا ہے۔

(۱۴) صدقے رحمت کے کہاں پھول کہاں خار کا کام
خود ہے دامن کشِ بلبل گلِ خندانِ عرب

اس شعر میں پھول اور بلبل کو صنعت تضاد کا رنگ دیکر قارئین اور سامعین کے ذوق کی ضیافت کا سامان کیا ہے۔

(۱۵) ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا
تم کو دیکھا ہو گیا ٹھنڈا کلیجہ نور کا

''جل رہا'' اور ''ٹھنڈا'' میں بھی یہی تضاد کا حسن کارفرما ہے۔

(۱۶) فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

(۱۷) عرش پر دھومیں مچیں وہ مومن و صالح ملا
فرش سے ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

اوپر کے دونوں شعروں میں ''عرش'' اور ''فرش'' کے لفظوں میں صنعت تضاد کی جھلک نظر آتی ہے۔

(۱۸) ہلکا ہے اگر ہمارا پلہ
بھاری ہے تیرا وقار آقا

ہلکا اور بھاری کو ملاحظہ فرمایئے اور شاعر کے فن اور ذوق کی داد دیجئے۔

(۱۹) صبح کر دی کفر کی سچا تھا مژدہ نور کا
شام ہی سے تھا شب تیرہ کو دھڑکا نور کا

صبح اور شام کے لفظوں میں جو خوبی نظر آ رہی ہیں یہ بھی اہل ذوق کی داد و تحسین کی بجا طور پر مستحق ہے۔

(۲۰) ''دشتِ'' حرم ہے جانِ دلہن گو دلہن نہیں
رشکِ ارم ہے گرچہ بظاہر ''چمن'' نہیں

دشت اور چمن متضاد مفہوم رکھنے والے دو لفظ ہیں۔ جنہیں ۲ مصرعوں میں سمو کر فنی حسن کا سامان کیا گیا ہے۔

(۲۱) یکتا ریاض دہر میں اس گل کی ذات ہے
بلبل ہزار بات کی یہ ایک بار ہے

اس شعر میں گل اور بلبل بھی متضاد الفاظ ہیں اور ''یکتا'' اور ''ہزار'' بھی متضاد مفہوم رکھتے ہیں۔

(۲۲) خدارا مرہم خاکِ قدم دے
جگر زخمی ہے دل گھائل ہے یاغوث

''مرہم'' اور ''زخمی'' بھی خوب داد کا مستحق ہے۔

امام احمد رضا کے کلام میں صنعت تضاد کا یہ ایک مختصر مطالعہ ہے اس طرح آپ کے کلام میں بے شمار علمی اور فنی محاسن پوشیدہ ہیں بس تحقیق کی ضرورت ہے۔

Marfat.com

علامہ اقبال کا نظریہ ختم نبوت

اللہ پاک نے بندوں کی ہدایت کے لئے نبوت ورسالت کا جو نظام قائم کیا تھا وہ اپنے اہداف کو پورا کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوگیا تمام انبیاء کرام اپنے اپنے عہد میں نبوت ورسالت کے تقاضے پورے کرتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس عظیم الشان سلسلہ کی تکمیل ہوئی اور آپ کے بعد نبوت و رسالت کا یہ مبارک سلسلہ ختم ہوا۔ اب اگر کوئی نبوت ورسالت کا دعویٰ کرے وہ کافر قرار پائے گا۔ کیونکہ اب دنیا کی وسعتیں سمٹ رہی ہیں۔ لہٰذا نظام فطرت کے تحت اور انسانی معاشرے کی ضرورتوں کے عین مطابق نبوت ورسالت کے تمام کمالات اور تقاضے سمیٹ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ دنیا کو ایک وحدت میں پرونے کے لئے شریعت محمدی کو آخری اور حتمی شکل دے کر وحی کے سلسلے کو بند کر دیا گیا ہے۔ اہل اسلام کے اس متفقہ نظریے کو نظریہ ختم نبوت کہا جاتا ہے۔

علامہ اقبال پہلے مجتہد ہیں جنہوں نے ختم نبوت کو اجتہاد کی اساس قرار دیا ہے۔ نبوت ختم ہوگئی ہے اور اجتہاد شروع ہوگیا ہے۔ علامہ اقبال کی یہ رائے تاریخ مذاہب عالم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہے۔ وہ اپنے انگریزی خطبات کے باب ''مسلم ثقافت کی روح'' کے صفحہ ۱۲۶ پر لکھتے ہیں۔

Looking at the matter from this point of view, then, the Prophet of Islam seems to stand between the ancient and the modern world. In so far as the source of his revelation is concerned he belongs to the ancient world; in so fat as the spirit of his revelation is concerned he belongs to the modern world. In him life

Marfat.com

discovers other sources of Knowledge suitable to its new direction. The birth of Islam, as i hope to be able presently to prove to your satisfaction, is the birth of inductive intellect. in Islam prophecy reaches its perfection in discovering the need of its own abolition. This involves the keen perception that life cannot for ever be keptin leading strings; that inorder to achieve full self-conciousness man must finally be thrown back on his own resources. the abolition of reiesthood and hereditary kingship in Islam, the constant appeal to reason and experience in the Quran, and the dmphsis that it lays on Nature and History as sources of human Knoeledge, are all different aspects of the same idea of finality.

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یوں نظر آئے گا جیسے پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حیثیت، دنیائے قدیم اور زمانہ جدید کے درمیان ایک واسطے کی ہے۔ اپنے سرچشمہء وحی کے اعتبار سے آپ کا تعلق دنیائے قدیم سے ہے لیکن اپنی وحی کی روح کے اعتبار سے آپ کا تعلق زمانہ جدید سے ہے۔ آپ کے وجود سے حیاتِ انسانی پر علم وحکمت کے وہ سرچشمے منکشف ہوئے جو اس کے آئندہ رُخ کے عین مطابق تھے۔ اسلام کا ظہور جیسا کہ آگے چل کر خاطر خواہ طور پر ثابت کر دیا جائے گا استقرائی عقل کا ظہور ہے۔ اسلام میں نبوت اپنے ختم کے انکشاف سے اپنے معراج کو پہنچتی ہے۔ اس سے یہ گہری بصیرت حاصل ہوتی ہے کہ حیاتِ انسانی کو ہمیشہ بچے کی طرح ڈوری کے ذریعے چلنا سیکھنے کی کیفیت میں نہیں رکھا جا سکتا۔ مکمل شعور کے حصول کے لئے انسان کو بالآخر اپنے انسانی وسائل علم پر انحصار کرنا ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مذہبی پیشوائیت اور موروثی

Marfat.com

ملوکیت کوختم کر دیا ہے۔قرآن میں بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا گیا ہے۔ عالم فطرت اور عالم تاریخ انسانی ذرائع علم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ تمام ذرائع علم ختم نبوت کے مختلف پہلو ہیں۔

علامہ اقبال کے اس اجتہاد سے یہ نتائج اخذ ہوتے ہیں:

اوّل: پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم قدیم اور زمانہ جدید کے درمیان واسطہ ہیں۔آپ کی وحی کا تعلق سرچشمہ کے اعتبار سے زمانہ قدیم سے ہے، جبکہ اس کی روح کا تعلق دورِ جدید سے ہے۔

دوم: ظہورِ اسلام، دراصل استقرائی عقل کے ظہور کا نام ہے۔

سوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے علم وحکمت کے ایسے چشمے جاری ہوئے جو نئے دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہیں۔

چہارم: نبوت اپنے ختم کے انکشاف سے اپنے عروج کو پہنچ گئی ہے۔

پنجم: حیاتِ انسانی بلوغت کو پہنچ کر آئندہ نبوت کی محتاج نہیں رہی۔وہ اپنے وسائل علمی سے خود انحصار حاصل کر چکی ہے۔

ششم: ختم نبوت اعلانِ عام ہے۔ختم مذہبی پیشوائیت اور ختم موروثی ملوکیت۔

ہفتم: ختم مذہبی پیشوائیت، ختم ملوکیت، عقلی وتجرباتی علوم پر زور، فطرت اور تاریخی ذرائع علم پر انحصار، عقیدۂ ختم نبوت کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ختم نبوت پر ایمان، ان ذرائع علم پر ایمان کا تقاضا کرتا ہے۔

ہشتم: ختم مذہبی پیشوائیت اور ختم موروثی ملوکیت کا انکار، عقیدۂ ختم نبوت کا انکار ہے۔

نہم: عقلی وتجرباتی علوم پر زور کا انکار اور فطرت اور تاریخ کے ذرائع علم پر انحصار کا انکار، عقیدۂ ختم نبوت کا انکار ہے۔

بعد از تو نبوت شد بہر مفہوم شرک
بزم را روشن زنورِ شمع عرفاں کردہ ای

مذکورہ بالا فارسی شعر میں کہتے ہیں" یارسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم آپ کے بعد نبوت ہر مفہوم میں شرک ہے، آپ نے عرفان حق کی شمع سے بزم کائنات کو روشن فرما دیا ہے لہٰذا اب کسی

نبی کی ضرورت نہیں رہی''۔ اقبال کے فارسی کلام میں جابجا نظریہ ختم نبوت پر عمدہ اشعار ملتے ہیں جنہیں پڑھ کر قاری نہ صرف شعری ذوق کی تسکین حاصل کرتا ہے بلکہ بے شمار فکری گتھیاں بھی سلجھا لیتا ہے۔ آگے چل کر ہم مزید اشعار سے قارئین کی ضیافت کریں گے لیکن پہلے علامہ اقبال کے نثری کلام کے مطالعہ سے اقبال کی نظریہ ختم نبوت سے وابستگی اور قادیانیت کی تردید وتغلیظ کے ضمن میں اُن کی علمی خدمات کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

عام طور پر ہم علامہ اقبال کو شاعر کے روپ میں ہی دیکھتے ہیں نثرنگار اقبال کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں پڑھتے حالانکہ اقبال کے تحقیقی نثر پارے اتنے جاندار اور شاندار ہیں کہ قوم کی فکری تربیت کے اہم تقاضے پورے کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبال نے اپنے مختلف مقالات، مضامین، خطبوں اور خطوط میں بڑے عمدہ اور مؤثر پیرائے میں ردِ قادیانیت کا فریضہ ادا کیا ہے آیئے کچھ اقتباسات دیکھتے ہیں جن سے پتا چلے گا کہ اقبال نظریہ ختم نبوت کے کتنے بڑے پرچارک تھے۔

(ا) پنڈت جواہر لعل نہرو کے ایک خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

۲۱ جون ۱۹۳۵ء، لاہور

میرے محترم پنڈت جواہر لعل!

آپ نے خط بھیجا جو مجھے کل ملا بہت بہت شکریہ جب میں نے آپ کے مقالات کا جواب لکھا تب مجھے اس بات کا یقین تھا کہ احمدیوں کی سیاسی روش کا آپ کو بخوبی اندازہ نہیں ہے۔ دراصل جس خیال نے خاص طور پر مجھے آپ کے مقالات کا جواب لکھنے پر آمادہ کیا وہ یہ تھا کہ میں دکھاؤں علی الخصوص آپ کو کہ مسلمانوں کی یہ وفاداری کیونکر پیدا ہوئی اور بالآخر کیوں کر اس نے اپنے لیے احمدیت میں ایک الہامی بنیاد پائی۔ جب میرا مقالہ شائع ہو چکا تو بڑی حیرت سے معلوم ہوا کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں کو بھی ان اسباب کا تصور نہیں جنہوں نے قادیانیت کو ایک خاص قالب میں ڈھالا۔ مزید برآں پنجاب اور دوسری جگہوں پر آپ کے مقالات پڑھ کر آپ کے مسلمان عقیدتمندوں کو یہ گمان گزرا کہ احمدی تحریک سے آپ کو ہمدردی ہے اور یہ اس سبب سے ہوا کہ آپ کے مقالات سے احمدیوں میں مسرت و انبساط کی ایک لہر سی دوڑا دی آپ کی نسبت اس غلط فہمی کے پھیلانے کا ذمہ دار بڑی حد تک احمدی پریس تھا۔ بہرحال مجھے خوشی ہے کہ میرا تاثر غلط ثابت

Marfat.com

ہوا۔ مجھ کو خود ''دینیات'' سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے مگر احمدیوں سے خود انہی کے دائرہ فکر میں نپٹنے کی غرض سے مجھے بھی ''دینیات'' سے کسی قدر جی بہلانا پڑا۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نے یہ مقالہ اسلام اور ہندوستان کے ساتھ بہترین نیتوں اور نیک ترین ارادوں میں ڈوب کر لکھا۔ میں اس باب میں کوئی شک وشبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی، اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں۔

لاہور میں آپ سے ملنے کا جو موقع میں نے کھویا، اس کا سخت افسوس ہے۔ میں ان دنوں بہت بیمار تھا اور اپنے کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ مسلسل اور پیہم علالت کے سبب میں عملاً عزلت گزیں ہوں اور تنہائی کی زندگی بسر کر رہا ہوں۔ آپ مجھے ضرور مطلع فرمائیں کہ آپ پھر کب پنجاب تشریف لا رہے ہیں؟ شہری آزادیوں کی انجمن کے بارے میں آپ کی جو تجویز ہے اس سے متعلق میرا خط آپ کو ملا یا نہیں؟ چونکہ آپ اپنے خط میں اس خط کی رسید نہیں لکھتے، اس لئے مجھے اندیشہ ہو رہا ہے کہ یہ خط آپ کو ملا ہی نہیں۔

آپکا مخلص: محمد اقبال

(کچھ پرانے خط حصہ اول، مرتبہ جواہر لعل نہرو، مترجمہ عبدالمجید الحریری) تشکیل جدید الٰہیات علامہ اقبال کی مشہور کتاب ہے جس میں اقبال نے خطبات شامل ہیں آیئے۔ ایک اقتباس پڑھتے ہیں۔

ختم نبوت اسلام کا ایک نہایت لازم اور بنیادی تصور ہے۔ اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی، لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا۔ اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان سیاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا۔ اس کے شعور کی ذات کی تکمیل ہو گی تو یوں ہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کا جائز نہیں رکھا، یا بار بار عقل اور تجربے پر زور دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے یہ سب تصورات خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں۔ ہم نے ختم نبوت کو مان لیا تو گویا یہ عقیدہ بھی مان لیا کہ اب کسی شخص کو اس دعوے کا حق نہیں پہنچتا

کہ اس سے علم کا تعلق چونکہ کسی مافوق سرچشمہ سے ہے لہٰذا ہمیں اس کی اطاعت لازم آتی ہے۔ خاتمیت کا تصور ایک طرح کی نفسیاتی قوت ہے جس سے اس قسم کے دعوؤں کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔(پانچواں خطبہ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، صفحہ ۹۵۔۱۹۳)

حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے خلیفہ، مولانا پروفیسر محمد الیاس برنی علامہ اقبال کے قلمی دوستوں میں سے تھے آپ کی کتاب ''قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ'' ختم نبوت کے مناظرانہ ادب میں کلیدی اہمیت کی کتاب ہے اس میں پروفیسر برنی کی وہ تقریریں شامل ہیں جو آپ عید میلاد النبی کے جلسوں میں کیا کرتے تھے اور ان میں قادیانیوں کا رد کیا کرتے تھے یہ کتاب پاک و ہند میں کئی اداروں کی طرف سے چھپ چکی ہے پروفیسر محمد الیاس برنی کے نام اپنے ایک خط میں اقبال لکھتے ہیں۔

''جہاں تک مجھے معلوم ہے بروز کا مسئلہ **عجمی** مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اصل اس کی آرین ہے۔ میری رائے میں اس مسئلہ کی تاریخی تحقیق قادیانیت کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی ہے''۔(پروفیسر محمد الیاس برنی کے نام مکتوب)۔۲۷ مئی ۱۹۳۷ء

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث حسین احمد مدنی نے کانگریس کے زیر اثر ایک سیاسی نظریہ پیش کیا کہ قومیں نظریات سے نہیں وطن سے بنتی ہیں۔ علامہ اقبال نے اس سیاسی اور فکری گمراہی پر حسین احمد مدنی کا بہت مہذب انداز میں قلمی تعاقب کیا۔ اس مسئلہ کا تفصیلی ذکر ماہر اقبالیات سید نور محمد قادری نے اپنی کتاب ''اقبال کا آخری معرکہ'' میں کیا ہے اس سلسلہ میں اقبال کے اشعار بہت مشہور و مقبول ہیں۔

عجم ہنوز نہ داند رموز دیں ورنہ
ز دیو بند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسر منبر کہ ''ملت از وطن است''
چہ بے خبر زمقام محمد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست

اگر بہ او نر سیدی تمام بولہبی است

حسین احمد مدنی کو سرزنش کرتے ہوئے اقبال نے انکے نظریہ وطنیت وقومیت کو ''قادیانی افکار کا تتبع'' قرار دیا اور اُن کو لکھا۔ بظاہر نظریہ وطنیت سیاسی نظریہ ہے اور انکار خاتمیت الٰہیات کا مسئلہ ہے لیکن ان دونوں میں ایک گہرا معنوی تعلق ہے جس کی توضیح اس وقت ہوگی جب کوئی دقیق النظر مسلمان مؤرخ، ہندی، مسلمانوں بالخصوص ان کے بعض بہ ظاہر مستعد فرقوں کے دینی افکار کی تاریخ مرتب کرے گا۔ (مولانا حسین احمد مدنی کے جواب میں ۹ مارچ ۱۹۳۸ء)

اپنے اسی خط میں ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

قادیانی نظریہ ایک جدید نبوت کے اختراع سے قادیانی افکار کو ایک ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے کہ اس سے نبوت محمدیہ کے کامل واکمل ہونے سے انکار کی راہ ملتی ہے''۔ (مولانا حسین احمد مدنی کے جواب میں)

یہ تو تھا اقبال کے نثری ذخیرے میں سے کچھ نمونہ کلام اور اب قارئین کی خدمت میں اقبال کے اشعار پیش ہیں۔

جب مرزا قادیانی نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا علامہ اقبال نے مرزا کی مہدویت کی قلعی کھولتے ہوئے ضرب کلیم کے صفحہ ۶۵ پر فرمایا۔

دنیا کو ہے اُس مہدی برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلہء عالم افکار

جب مرزا غلام احمد نے قرآن کی من مانی تاویلات شروع کیں تو اقبال نے مرزا کی طرف لطیف اشارہ کرتے ہوئے اس کتاب میں فرمایا۔

قرآن کو بازیچہء تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد

آخر جب مرزا نے نبوت کا دعویٰ کر ڈالا تو ختم نبوت کی ایمان آفریں تشریح کرتے ہوئے حضرت اقبال کا خوبصورت اور دوٹوک انداز ملاحظہ کیجئے۔

Marfat.com

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد
بر رسول ما رسالت ختم کرد

ترجمہ: بس اللہ تعالیٰ نے ہمارے پر شریعت ختم کردی ہے اور ہمارے رسول پر رسالت ختم کردی ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں

رونق از ما محفل ایام را
او رسل را ختم ما اقوام را

ترجمہ: ہمارے رسول رسولوں میں آخری ہیں اور ہم آخری قوم ہیں اب قیامت تک محفل ایام کی رونق ہمیں سے ہے۔

ایک شعر میں حدیث پاک کے الفاظ ''لا نبی بعدی'' کا بڑے پیارے انداز میں پیوند لگایا ہے۔

لا نبی بعدی ز احسان خدا است
پردۂ ناموسِ دین مصطفیٰ است

ترجمہ:

جب مرزا نے اپنے آپ کو قرآن کی آیات مقدسہ کا مصداق ٹھہرانا شروع کیا تو ایک بار پھر اقبال کا غیور قلم حرکت میں آیا

عصر من پیغمبرے ہم آفرید
آنکہ در قرآن بغیر ۔از خود ندید

ہمارے زمانے (انگریزی عہد) کے نزدیک ایسا پیغمبر پیدا کر ڈالا ہے جسے قرآن میں اپنے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ آخر میں علامہ اقبال کا ختم نبوت کے موضوع پر ایک اردو شعر ملاحظہ فرمائیں۔

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآن وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

مرزا، مرزائی اور مرزائیت

مسلم مشاہیر کی نظر میں

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کوٹ مٹھن شریف

''مرزا قادیانی کافر ہے۔ قادیانی فرقہ ناری اور جہنمی ہے۔ حضور اکرم ﷺ پر نبوت ختم ہو چکی ہے۔ حضور کے بعد کوئی نبی نہیں ہو سکتا'' [1]

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمۃ

''قادیانی مرتد، منافق ہیں۔ مرتد منافق وہ کہ کلمہء اسلام اب بھی پڑھتا ہے، اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتا ہے اور پھر اللہ عزوجل یا رسول اللہ ﷺ یا کسی نبی کی توہین کرتا ہو یا ضروریات دین میں سے کسی شے کا منکر ہے۔ اس کا ذبیحہ محض نجس، مردار، حرام قطعی ہے۔ مسلمانوں کے بائیکاٹ کے سبب قادیانی کو مظلوم سمجھنے والا اور اس سے میل جول چھوڑنے کو ظلم و ناحق سمجھنے والا اسلام سے خارج ہے اور جو کافر کو کافر نہ کہے، وہ بھی کافر'' [2]

حضرت میاں شیر محمد شرقپوری علیہ الرحمۃ

''حضرت میاں شیر محمد شرقپوری نے ایک دفعہ مراقبہ کیا اور دیکھا کہ مرزا قادیانی کی شکل قبر میں باؤلے کتے کی طرح ہے اور باؤلے پن کا اس پر دورہ پڑا ہوا ہے۔ اس کا منہ دم کی طرف ہے، بھونک رہا ہے اور گول چکر کاٹ رہا ہے، منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور بار بار اپنی دم اور ٹانگوں کو کاٹتا ہے'' [3]

Marfat.com

حضرت پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمۃ:

''حجاز کے مبارک سفر میں مکہ مکرمہ میں حضرت حاجی امداداللہ سے ملاقات ہوئی جو ایک صحیح صاحب کشف انسان تھے۔ جب ان کو میری آزاد اور بے باک طبیعت کا علم ہوا تو شدید اصرار اور تاکید سے فرمایا کہ چونکہ عنقریب ہندوستان میں ایک فتنہ ظاہر ہونے والا ہے لہٰذا تم وطن واپس چلے جاؤ۔ اگر بالفرض تم خاموش بھی رہو گے تو بھی یہ فتنہ ترقی نہ کر سکے گا اور اس طرح ملک میں آرام رہے گا۔ چنانچہ میں پورے وثوق کے ساتھ حاجی صاحب کے اس کشف کو مرزا قادیانی کے فتنہ سے تعبیر کرتا ہوں۔

حضور ﷺ نے بھی خواب میں مجھے حکم دیا کہ یہ مرزا قادیانی غلط تاویل کی قینچی سے میری احادیث کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا اور ہے تو خاموش ہے''۔[۴]

حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی علیہ الرحمۃ:

''جو شخص اسلام چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے تو وہ کافر ہے، مرتد ہے اور مرتد کی سزا شریعت میں قتل ہے۔ اگر میرے ہاتھ میں حکومت ہوتی تو میں قادیانیوں کا فیصلہ شریعت کے مطابق کرتا، جس کی نظیر سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قائم کی تھی۔ مرزائیوں کا سوشل بائیکاٹ بالکل جائز ہے۔ ان کے ساتھ ہر قسم کا میل جول ختم کر دیا جائے''۔[۵]

حکیم الامت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ:

''میں اس باب میں کوئی شک و شبہ اپنے دل میں نہیں رکھتا کہ یہ احمدی (مرزائی) اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں''۔[۶]

بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح علیہ الرحمۃ:

جب کشمیر سے واپسی پر قائداعظم سے سوال کیا گیا کہ آپ کی قادیانیوں کے بارے میں کیا رائے ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ''میری رائے وہی ہے جو علماء کرام اور پوری امت کی

ہے''۔۷

قائد تحریک ختم نبوت 1974ء مولانا شاہ احمد نورانی علیہ الرحمہ:

''مرزائیت، یہودیت کی گود میں پروان چڑھ رہی ہے اور پاکستان میں ''تل ابیب'' کا ایجنٹ ''ربوہ'' ہے۔اس کی معرفت جو چاہتے ہیں کرواتے ہیں۔ مذہب کا تو ان لوگوں نے لبادہ اوڑھ رکھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک بہت بڑی خطرناک سیاسی تحریک ہے اور یہ صیہونیت کی ایک ذیلی تنظیم ہے جو مسلمانوں کے اندر رہ کر مسلمانوں کی تباہی و بربادی کا سامان پیدا کر رہی ہے''۔۸

مجاہد ملت مولانا عبدالستار خاں نیازی علیہ الرحمہ:

پھانسی کی سزا پانے والے مجاہد تحریک ختم نبوت

مرزائی جہاں کہیں بھی موجود ہے، کفر کا ایجنٹ ہے۔ اسلام کے خلاف جاسوس ہے۔ مرزا قادیانی نے خود کہا ہے کہ ''میں انگریز کا خود کاشتہ پودا ہوں اور انگریز کی اطاعت خدا اور رسول کی اطاعت ہے''۔ مزید کہا کہ ''انگریز کے دور میں ہمیں وہ امن وامان نصیب ہوا ہے جو ہمیں مکے اور مدینے میں بھی نہیں مل سکتا''۔ قادیانیوں نے سقوط ڈھاکہ کے موقع پر گھی کے چراغ جلائے تھے۔۹

پاسبان مسلک رضا عالم باعمل مولانا ابوداؤد محمد صادق:

مرزا قادیانی کے متعلق یاد رکھئے کہ وہ صرف ختم نبوت کے انکار ہی کی وجہ سے مرتد نہیں بلکہ اس ڈبل کفر کے علاوہ بھی اس کے اور بیسوں کفریات ہیں۔ لہٰذا مرزا قادیانی اور کسی مدعی نبوت کو نبی ماننا، اپنا امام و پیشوا جاننا تو درکنار، ایسوں کو ادنیٰ مومن سمجھنا اور ان کے کفر میں شک کرنا بھی اسلام سے خارج کر دیتا ہے۔۱۰

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے

Marfat.com

خصوصاً آج کل کے انبیاء سے

مجاہد تحریک ختم نبوت حضرت صوفی محمد ایاز خان نیازی (کراچی)

امیر اوّل تحریک فدایانِ ختم نبوت پاکستان

۱۹۴۸ء میں جب جہاد آزادیٔ کشمیر کا آغاز ہوا اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کو ڈوگرہ سامراج سے آزاد کرانے کیلئے پورے ملک سے عوام بالخصوص صوبہ سرحد سے قبائل نے کشمیر کا رُخ کیا تو حضرت صوفی محمد ایاز خان نیازی رحمۃ اللہ علیہ بھی میانوالی سے مجاہدین کے ایک لشکر کی قیادت کرتے ہوئے کشمیر پہنچے۔ مشہور مسلم لیگی رہنما امیر عبداللہ خان روکڑی اس لشکر میں ایک عام سپاہی کی حیثیت سے آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہم ایک دن میں جتنا پیدل سفر کر سکتے تھے اتنا ہی علاقہ فتح کر لیتے تھے۔ ہماری آمد کی اطلاع سن کر ڈوگرہ فوجی اور ہندو مہاشے علاقہ چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے۔ آپ بڑے افسوس کا اظہار کرتے کہ ہم نے جو جنگ میدان میں جیتی اسے مذاکرات کی میز پر ہار دیا گیا اگر ہمیں چند دن اور مل جاتے اور فائر بندی کا اعلان نہ ہوتا تو ہم پورا کشمیر فتح کر لیتے۔ ہم ہندو اور قادیانی کی سازش کا شکار ہو گئے۔ ہندو سے آپ کی مراد جواہر لعل نہرو اور قادیانی سے مراد سر ظفر اللہ خان تھے۔

آپ کہتے تھے کہ پاک فوج کی طرف سے جو فوجی افسر قبائل کے لشکر کو ہدایات دے رہا تھا مجھے اس کے بارے میں بھی شک تھا کہ وہ بھی اندرون خانہ قادیانی ہے اور وہ مسلمانوں کی فتح نہیں چاہتا تھا۔[11]

ایم۔ایم عالم مرحوم (سکواڈرن لیڈر) جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ہیرو:

''قادیانیوں نے ہمیشہ غداری کی ہے۔ یہ لوگ ملک اور قوم دونوں کے دشمن ہیں۔ میرے متعلق ان لوگوں نے افواہ اڑائی ہے کہ نعوذ باللہ میں قادیانی ہوں۔ میں ان پر لعنت بھیجتا ہوں''۔[12]

Marfat.com

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری علیہ الرحمۃ:

''مرزائی مار آستین ہیں۔ جو دن رات وطن عزیز کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہیں، نظام اسلامی کے راستے میں انہوں نے جس طرح رکاوٹیں پیدا کیں، ان سے ہم سب باخبر ہیں۔ اس فتنہ کے تدارک کی ذمہ داری ہم پر دوسروں سے زیادہ عائد ہوتی ہے۔ ہم نے اگر اس میں کوتاہی کی تو یاد رکھئے آئندہ نسلیں ہمیں کبھی معاف نہیں کریں گی''۔۱۳

قومی ترانے کے خالق حفیظ جالندھری مرحوم:

''مرزائے قادیان اور ان کے ایجنٹوں کی تحریریں، تقریریں اور تبلیغی تذویت ہیں۔ ان تذویروں کا مقصد دنیائے اسلام پر ''یہود'' کی حکومت قائم کرنا ہے''۔۱۴

حمید نظامی مرحوم:

''غیر ممالک میں پاکستان کے ''سفارتخانے'' تبلیغ مرزائیت کے اڈے اور ان کے جماعتی دفاتر معلوم ہوتے ہیں''۔۱۵

ڈاکٹر عبدالقدیر خاں ایٹمی ہیرو:

''اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ عرصہ دراز سے قادیانی ملک کے اندر اور باہر یہودی لابی سے مل کر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے خلاف بین الاقوامی سطح پر بے بنیاد پروپیگنڈہ کر کے پاکستان کو بدنام کرنے کی کوشش میں سرگرم عمل ہیں اور اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہوئے مغربی ممالک کی طرف سے طرح طرح کی رکاوٹیں اور بے جا پابندیاں پیدا کر کے ہماری فنی ترقی کو مفلوج بنانے میں مشغول ہیں''۔۱۶

سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو:

''قادیانی اتنے خطرناک ہیں، اس کا احساس مجھے ان دنوں میں ہوا ہے۔ میں نے کبھی سوچا نہ تھا کہ قادیانی مذہب کے لوگ اس قدر خوفناک ارادے رکھتے ہیں''۔۱۷

Marfat.com

جنگ ستمبر ۱۹۶۵ء کے ہیرو (ر) ائیر مارشل محمد اصغر خان:

''ہر صحیح العقیدہ مسلمان کی طرح میرا ایمان بھی ہے کہ قادیانی غیر مسلم اقلیت ہیں''۔۱۸

سابق صدر آزاد کشمیر سردار محمد عبدالقیوم خان:

''ہم آزاد کشمیر میں کوشش کر رہے ہیں کہ اس سرزمین کو قادیانیت کے فتنہ سے محفوظ رکھیں۔ وہاں انہوں نے بہت سازشیں کی ہیں۔ قادیانی پاکستان کی اہم شخصیتوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا فیصلہ کر چکے ہیں''۔۱۹

سابق ڈپٹی اٹارنی جنرل سید ریاض الحسن گیلانی:

''عقیدہ ختم نبوت پر ایمان نہ رکھنے کی سزا موت ہے اور اسلامی مملکت میں یہ سنگین ترین جرم ہے، اس لئے اس جرم کے مرتکب کو سزا دینے کے لئے صرف حکومت کی مشینری کے حرکت میں آنے کا انتظار کرنا ضروری نہیں بلکہ کوئی مسلمان بھی اس سلسلے میں قانون کو ہاتھ میں لے سکتا ہے کیونکہ یہی شریعت کا حکم ہے''۔۲۰

سابق وزیر اعظم غلام مصطفیٰ جتوئی:

''این پی پی ۱۹۷۳ء کے آئین کو قادیانیوں سے متعلق غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی ترمیم سمیت تسلیم کرتی ہے''۔۲۱

سابق وزیر اعلیٰ پنجاب غلام حیدر وائیں:

مسلم لیگ کے دستور کے مطابق قادیانی غیر مسلم ہونے کی وجہ سے مسلم لیگ کے باقاعدہ رکن نہیں بن سکتے۔ البتہ پاکستان کی دیگر اقلیتوں کے ورکر اس جماعت کے رکن اسی صورت میں بن سکتے ہیں بشرطیکہ مسلم لیگ کے اغراض و مقاصد اور نظریاتی اساس سے متفق ہوں۔۲۲

Marfat.com

مفتی محمد حسین نعیمی بانی جامعہ نعیمیہ لاہور:

''قادیانی اپنے عقائد ونظریات کے باعث مرتد ہیں۔ایسا شخص جو اسلام کے بعد کافر ہو، مرتد ہوتا ہے، واجب القتل ہے''۔۲۳

سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو:

''قادیانیوں کے بارے میں آئینی ترمیم ملک کی منتخب اسمبلی میں اتفاق رائے سے منظور ہوئی تھی، اس لئے وہ ترمیم درست ہے اور اسے ختم نہیں کیا جائے گا''۔۲۴

سابق وزیراعظم محمد خان جونیجو مرحوم:

''ختم نبوت کے منکرین (مرزائیوں) کے خلاف پوری قوت سے کارروائی کرنے کی ضرورت ہے۔توہین نبوت برداشت نہیں کی جائے گی۔ختم نبوت کے منکرین اور نبوت کے جھوٹے دعویداروں کا خاتمہ کرنے کے لئے حکومت پاکستان نے کئی موثر کارروائیاں کی ہیں۔اس سلسلہ میں اسلامی دنیا کو پاکستان سے تعاون کرنا چاہئے''۔۲۵

سابق وزیراعظم میاں محمد نواز شریف:

''حضور اکرم ﷺ کی شان میں کسی گستاخی پر کوئی بڑی سے بڑی سزا بھی کم ہے''۔۲۶

ملک محمد قاسم صدر پاکستان مسلم لیگ (قاسم گروپ)

''پاکستان مسلم لیگ ختم نبوت پر ایمان رکھتی ہے۔اس کا ایمان ہے جو کوئی اس عقیدے پر ایمان نہیں رکھتا وہ مسلمان نہیں''۔۲۷

اسسٹنٹ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب نذیر احمد غازی:

''یہ انتہائی ظلم کی بات ہے کہ قرآن مجید میں حضرت نبی آخرالزماں ﷺ پر نازل ہونے والی اکثر آیات مبارکہ مرزا غلام احمد قادیانی نے چوری کر کے اپنے نام کے ساتھ منسوب کر

Marfat.com

لی ہیں۔ اگر قادیانیوں کو ان کے مذہب کی تبلیغ کی اجازت دے دی جائے تو اس سے نہ صرف معاشرے میں ہیجان پیدا ہوگا بلکہ اخلاقیات بھی تباہ ہو جائیں گی"۔۲۸

حضرت مولانا خادم حسین رضوی (امیر تحریک فدایان ختم نبوت صوبہ پنجاب)

دنیا میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جس سے قادیانیوں کو تشبیہ دی جائے یہ خنزیر سے بھی بدتر ہیں۔ قادیانی اسلام کے غدار اور انگلستان کے وفادار ہیں۔ یہودی، عیسائی، ہندو اور سکھ کافر جبکہ مرزائی، قادیانی نہ صرف کافر بلکہ مرتد اور زندیق ہیں۔ قادیانیوں سے میل جول اور تعلق ناطہ سب سے بڑی بے غیرتی ہے۔ قادیانیوں سے رشتہ کرنا حرام اور ان کی اولاد حرامی ہے۔۲۹

☆☆ حواشی ☆☆

(۱)۔ فوائد فریدیہ، ص ۱۳، مضمون خواجہ غلام فرید "ضیائے حرم" دسمبر ۱۹۷۴ء

(۲)۔ احکام شریعت، ص ۱۱۲، ۱۲۲، ۱۷۷۔ (۳) تذکرہ مجاہدین ختم نبوت۔

(۴)۔ ملفوظات طیبہ، ص ۱۲۶۔ ۱۲۷۔ (۵)۔ ماہنامہ ضیائے حرم، دسمبر ۱۹۷۴ء

(۶)۔ علامہ اقبال کا مکتوب پنڈت جواہر لعل نہرو کے نام، ۲۱ جون ۱۹۳۶ء

(۷)۔ ہفت روزہ "لولاک" دسمبر ۱۹۷۱ء۔ (۸) ارشادات نورانی، از ضیاء المصطفیٰ قصوری۔

(۹)۔ ہفت روزہ "ختم نبوت" مارچ ۱۹۷۴ء۔ (۱۰) ہفت روزہ "رضوان" ۱۹۵۲ء ج ۵ شمارہ ۲۹

(۱۱)۔ ماہنامہ "لا نبی بعدی" لاہور مجاہدین ختم نبوت نمبر، نومبر ۲۰۰۳ء، ص ۲۰۲ سید عقیل انجم (کراچی)

(۱۲) ہفت روزہ "لولاک" جلد ۲۳، شمارہ ۲۸، مارچ ۱۹۸۸ء (۱۳) ماہنامہ ضیائے حرم، دسمبر ۱۹۷۴

(۱۴) قادیانی امت، از محمد شفیع جوش۔ (۱۵) ماہنامہ "صوت الاسلام" ستمبر، اکتوبر ۱۹۸۵ء

(۱۶) ہفت روزہ "چٹان" جلد ۳۹، شمارہ ۳۲۳، ۳۱۔ اگست ۱۹۸۶ء۔

(۱۷) مقالہ مولانا تاج محمود علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۱ء۔ از محمد ندیم

(۱۸) ہفت روزہ "لیل و نہار" ص ۶، ایڈیٹر حبیب الرحمٰن شامی، ۲۲ تا ۲۹ جون ۱۹۷۴ء

(۱۹) ہفت روزہ "لولاک" مارچ ۱۹۷۴ء۔ (۲۰) روزنامہ "نوائے وقت" کراچی، ۱۹ نومبر ۱۹۸۵ء

(۲۱) روزنامہ "مشرق" لاہور، ۱۰ ستمبر ۱۹۸۶ء۔ (۲۲) روزنامہ جنگ لاہور، ۸ نومبر ۱۹۸۶ء

(۲۳) روزنامہ جنگ لاہور ۱۹۸۶ء۔ (۲۴) روزنامہ نامہ جنگ، ۱۹۸۷ء

(۲۵) ریڈیو رپورٹ، ۲۷ نومبر ۱۹۸۵ء۔ (۲۶) روزنامہ نوائے وقت، ۲۰ مئی ۱۹۹۱ء

(۲۷) ہفت روزہ "لیل و نہار" ایڈیٹر حبیب الرحمٰن شامی، جولائی ۱۹۷۴ء۔

(۲۸) روزنامہ نوائے وقت، ۲۳ مئی ۱۹۹۱ء۔ (۲۹) مرزائیت، قادیانیت اور احمدیت کیا؟ ص ۱۵، مطبوعہ لاہور

Marfat.com

ایک عظیم صحافی

مولانا فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ

جس نے پادریوں کا منہ بند کر دیا

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب نے اپنے تحقیقی مقالے ''عیسائی مبلغین اور علمائے اسلام'' میں اُن علما کا ذکر بڑی خوبی کے ساتھ کیا ہے جنہوں نے برصغیر پاک و ہند میں انگریزی تسلط قائم ہونے کے بعد قلمی طور پر انگریز پادریوں کا مقابلہ کیا اور شاندار مناظرانہ لٹریچر تخلیق کر کے باطل کا قلع قمع کیا۔

ان قلمی مجاہدوں میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی ایک نمایاں ترین نام ہے جنہوں نے پادری عمادالدین کو ایک طویل قلمی مناظرے میں شکست سے ہمکنار کر کے بین الاقوامی شہرت حاصل کی تھی۔ اس مناظرے کی شہرت سن کر لاہور کے ایک چوبیس سالہ نوجوان صحافی مولانا فقیر محمد جہلمی اتنے متاثر ہوئے کہ مولانا رحمت اللہ کیرانوی کے شاگرد ہو گئے۔ اس نوجوان صحافی نے آگے چل کر مسلم اُمہ کی علمی راہنمائی کے ضمن میں گراں قدر خدمات انجام دیں اور قوم کے فکری قائدین میں ایک بلند پایہ مقام حاصل کیا۔

آیئے اس نوجوان صحافی کی زندگی کے اوراق کا مطالعہ کر کے اپنی زندگی سنوارنے کی کوشش کریں۔ آپ اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں اپنی آپ بیتی لکھتے ہیں۔

''راقم یعنی فقیر محمد بن حافظ محمد سفارش، بقرینہ، غالب ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء میں موضع چتن میں جو شہر جہلم سے دو میل کے فاصلہ پر بجانب غرب واقع ہے پنجشنبہ کے روز رات کے وقت پیدا ہوا۔ جب چھ سات سال کا ہوا تو پڑھنے پر بٹھایا گیا اور قرآن شریف کے ختم کے بعد کتب فارسیہ میں مشغول ہوا اور موضع ٹالیانوالہ میں جو چتن سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے، میاں قطب الدین مرحوم سے پڑھنے جاتا لیکن اکثر روز راستہ میں ہی موضع جادہ میں اپنے ماموں حافظ

Marfat.com

فتح علی مرحوم کے پاس رہ جاتا اور اپنے ماموں زادہ میاں غلام محمد مرحوم سے بھی جو ایک ذہین و مستعد صاحب علم تھے، استفادہ کرتا، اسی اثناء میں فقیہ اجل، عالم بے بدل مولوی نور احمد صاحب تلمیذ فقیہ فاضل، محدث کامل مولوی رحمت اللہ صاحب کیرانوی مصنف ازالۃ الاوہام و اعجاز عیسوی و اظہار الحق وغیرہ حال نزیل و مدرس مکہ معظمہ جب لاہور سے مراجعت فرما کر اپنے وطن مالوفہ موضع کھائی کوٹلی میں جو جہلم سے تین کوس کے فاصلہ پر ہے، سکونت پذیر ہوئے تو یہ احقر بھی ان کے درس میں، جو اس وقت علاقہ جہلم میں کیا بلکہ کل پنجاب میں ایک بے نظیر گنا جاتا تھا۔ حاضر ہوا اور کئی سال ان کی خدمت میں صرف، نحو، فقہ و دیگر علوم کی ابتدائی کتابوں کو سبقاً سبقاً پڑھا۔ بعد ازاں راولپنڈی چلا گیا جہاں پہلے مولوی عبدالکریم صاحب حال مفتی شاہ پور سے، جو کچھ دنوں کے لئے وہاں وارد تھے۔ منطق شروع کی اور ان کے وہاں سے چلے جانے پر مولوی محمد حسن صاحب فیروز والہ سے جو وہاں بہ تلاشِ روزگار تشریف لائے ہوئے تھے، پڑھنا شروع کیا، انہیں دنوں ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء میں دہلی کا ارادہ کر لیا اور ایک فوج کے ساتھ، جو کانپور کو جاتی تھی، دہلی میں پہنچا۔ پہلے پہل پنجابی کٹرہ میں مولوی نذیر حسین صاحب کے درس میں حاضر ہوا۔ مگر انہوں نے یہ عذر کر کے کہ ہم معقولات نہیں پڑھا سکتے، مولوی محمد شاہ صاحب مصنف مدار الحق کے سپرد کر دیا لیکن کچھ ہی دنوں کے بعد بستی نظام الدین اولیاء میں جناب صدر الافاضل اعز الاماثل مولانا مفتی محمد صدر الدین خاں صاحب صدر الصدور دہلی، تلمیذ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث کی خدمت میں چلا گیا جن کے درس میں تقریباً ڈیڑھ سال رہ کر قراءۃً و سماعاً کتب درسیہ و متداولہ کا عبور کیا اور اواخر ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء میں وہاں سے مراجعت کر کے اپنے وطن مالوفہ میں آیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد لاہور چلا گیا جہاں فاضل جلیل القدر، فقیہ فرید الدہر مولوی کرم الٰہی صاحب متوفی ۱۲۶۳ھ سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا اور ساتھ ہی اس دوران خوشخطی حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہو گئی اور "مَنْ جَدَّ وَجَدَ" کا مصداق ہو کر مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں کتابت کی خدمت پر مقرر ہو گیا۔

خورشید احمد خاں لکھتے ہیں:

مولوی صاحب نے ایرانی خوشنویس مرزا امام ویردی سے خوشنویسی کی مشق شروع کی،

Marfat.com

پھران کے شاگرد صوفی غلام محی الدین وکیل سے اصلاح لی اور بعد میں میر احمد حسن کاتب دہلوی سے کتابت سیکھ کر چندے مطبع ناظر خیراللہ خان کابلی میں کتابت کا کام کیا۔ ۱۸۶۷ء سے ''مطبع آفتاب پنجاب'' میں قانونی کتب کی کتابت شروع کی اور ساتھ ساتھ رسالہ ''انوارالشمس'' کی ادارت بھی کرتے رہے۔

صحافتی خدمات:

۱۳ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ سے جہلم میں اپنے لخت جگر محمد سراج الدین کے نام پر مطبع سراج المطابع قائم کیا اور اخبار سراج الاخبار جاری کیا، اس اخبار نے اپنے دور کے اعتقادی فتنوں خاص طور پر فتنہ مرزائیت کی تردید کے لئے بڑا کام کیا۔

تردید نصاریٰ کے بارے میں آپ کے مضامین ''کوہِ نور'' لاہور اور اخبار ''منشور محمدی'' مدارس میں چھپتے رہے۔

سیرت واخلاق:

بیٹی مریم نے بتایا کہ مولوی صاحب کا قد وقامت درمیانہ اور رنگ سفید تھا، داڑھی اور بالوں کو مہندی لگایا کرتے تھے، لباس کرتہ اور کھلے پائچوں کا پاجامہ، کرتے پر واسکٹ یا اچکن، کبھی کبھار اُوپر جُبہ بھی پہن لیتے، سر پر پگڑی اس طرح باندھتے کے دونوں کون چھپ جاتے، شرم وحیا کا یہ حال تھا کہ نماز کے لئے مسجد جاتے تو چہرے پر رومال ڈال لیتے تا کہ گلی میں بیٹھی ہوئی محلہ کی عورتوں پر نظر نہ پڑے، پانچوں وقت کی نماز مسجد میں ادا کرتے۔

تصنیف وتالیف:

تذکرہ اکابرین سنت صفحہ ۳۹۲ پر علامہ عبدالحکیم شرف قادری لکھتے ہیں کہ مولانا کو تصنیف وتالیف سے خصوصی لگاؤ تھا۔ انہوں نے اہم کتابیں یادگار چھوڑیں جنہیں علمی طبقہ میں بہت وقعت کی نظر سے دیکھا گیا، تصانیف کے نام یہ ہیں۔

۱۔ اردو ترجمہ تصدیق المسیح۔

۲۔ حاشیہ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان۔

Marfat.com

۳۔حاشیہ ابحاث ضروری (ہر دو تصانیف مناظر اسلام حافظ ولی اللہ لاہوری)

۴۔تکملہ مباحثہ دینی (مناظرہ مابین مناظرِ اسلام مولانا حافظ ولی اللہ لاہوری و پادری عماد الدین)

۵۔زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل۔

۶۔رسالہ آفتابِ محمدی۔

۷۔عمدۃ الابحاث فی وقوع الطلقات الثلاث (اس امر میں کہ تین طلاقیں بیک وقت واقع ہو جاتی ہیں، ایک غیر مقلد کے شکوک وشبہات کا جواب)

۸۔حدائق الحنفیہ (حنفی علماء کا تذکرہ) وغیرہ وغیرہ، اس کتاب کو سب سے زیادہ شہرت ملی۔

۹۔السیف الصارم علی المنکر شان الامام الاعظم۔

''صلوٰۃ والوتر کصلوٰۃ المغرب'' بجواب فتویٰ مولوی احمد اللہ و مولوی حسام الدین صاحبان ساکن کوٹلہ ائمہ تحصیل جہلم جو ایک رکعت وتر یا تین رکعت بیک تشہد کے قائل ہیں۔ ۱۳۱۵ھ میں تصنیف کی۔ اہل البدع ولا اعتساف اور ''السیف المسلول لاعداء خلفاء الرسول'' تردید شیعہ میں اور ''ہدیۃ النجباء فی ابطال نکاح غیر الکفو بغیر رضی الاولیاء'' بھی آپ کی تصانیف ہیں۔ انتقال کے وقت آپ کی ایک تصنیف زیرِ طبع تھی جو نامکمل رہ گئی۔

اولاد:

مولوی صاحب کا خاندان قطب شاہی اعوان تھا۔ آپ نے دو شادیاں کیں۔ ''مولوی فیروز الدین صاحب (بانی فیروز سنز) نے اپنی کتاب ''جہادِ زندگی'' میں صفحہ ۱۸۴ پر لکھا ہے جب تک دونوں بیویاں بقیدِ حیات تھیں تو مولوی صاحب کو جو آمدنی ہوتی تھی، کوڑی کوڑی تک نصف نصف تقسیم کر دیا کرتے تھے'' پہلی بیوی جہلم کی اپنے رشتہ داروں میں سے تھیں، ان سے ایک بیٹی غلام فاطمہ پیدا ہوئیں جن کی شادی اپنے تایا زاد (مولوی صاحب کے بڑے بھائی مولوی غلام محمد کے بیٹے) غلام نبی، پی ڈبلیو آئی، ریلوے سے ہوئی۔ ان کے ایک بیٹے عبدالرحمٰن مشین محلہ جہلم میں قیام پذیر ہیں۔

دوسری بیوی جنت بی بی کا تعلق امرتسر سے تھا، ان سے ایک بیٹا اور چار بیٹیاں ہوئیں۔

دولڑکیوں اور بیٹے (محمد سراج الدین) کا بچپن میں انتقال ہوگیا۔ ۱۸۹۸ء میں تیسری بیٹی غلام زینب پیدا ہوئیں۔ ان کی شادی محمد عبدالقادر پی۔ڈبلیو۔آئی ریلوے سے ہوئی۔ یہ اُردو ادبی حلقوں میں مسز عبدالقادر کے نام سے خاصی معروف ہیں۔ ''لاشوں کا شہر''۔ ''رابیہ''۔ ''صدائے جرس'' وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ ۱۶۔اکتوبر ۱۹۷۶ء کو لاہور میں بعارضہ دمہ قلبی انتقال کیا، قبرستان شاہ بدر دیوان لاہور میں اپنے شوہر اور والدہ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہیں، ان کے ایک صاحبزادے اردو کے معروف شاعر سراج الدین ظفر اپنی والدہ کی زندگی ہی میں وفات پا چکے تھے، مولوی صاحب کی سب سے چھوٹی صاحبزادی غلام مریم صاحبہ ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئیں۔ ۱۹۱۵ء میں ان کی شادہ مولوی فیروزالدین (بانی فیروز سنز) کے سب سے بڑے بیٹے عبدالمجید خاں (متوفی ۱۹۶۴ء) سے ہوئی۔

اکلوتے اور پیارے فرزند محمد سراج الدین کا چھ سال کی عمر میں بعارضہ تپ محرقہ و سرسام انتقال ہوگیا جس سے انہیں سخت صدمہ پہنچا۔ اس صدمہ کو بھلانے کے لئے اگست ۱۸۸۷ء میں کشمیر کا سفر اختیار کیا، اسی زمانہ میں ''تقلید ائمہ اربعہ'' لکھی ۱۹۰۶ء میں آنکھوں کی تکلیف ہوئی، ڈاکٹر میر ہدایت اللہ اسسٹنٹ سرجن جہلم کے علاج (غالباً موتیا بند کے اپریشن) سے شفا ہوئی۔ آخری عمر میں مولوی صاحب کو ایک صدمہ پہنچا یعنی ایک نامہ نگار کی غلطی پر ۷ فروری ۱۹۱۶ء کو حکومت پنجاب نے ان سے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کی، ضمانت داخل نہ ہو سکنے کے سبب مطبع اور اخبار بند ہوگئے اور مولوی صاحب بیمار ہوگئے۔ مقامی حکام کی سفارش پر زرِ ضمانت میں تخفیف ہوئی تو اخبار چار ماہ کی بندش کے بعد دوبارہ جاری ہوا۔ چندہ ماہ بعد مرض اسہال (محترمہ غلامہ مریم صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ وفات سے پہلے مولوی صاحب کو بار بار اجابت ہو رہی تھی مگر وہ ہر اجابت کے بعد وضو کرتے، آخرت وقت تک کوئی نماز قضا نہیں کی اور فرماتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بے وضو جانا پسند نہیں کرتا) میں مبتلا ہو کر ۲۵۔اکتوبر ۱۹۱۶ء بمطابق ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۳۴ھ بروز چہار شنبہ ظہر کی نماز ادا کرتے ہوئے مولوی صاحب کا انتقال ہوگیا۔ جہلم شہر کے قبرستان میں اپنے بیٹے سراج الدین کے پہلو میں دفن ہوئے۔

Marfat.com

شیخ الحدیث حضرت مولانا **محمد صالح** نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

اقبال اور فیض کی سرزمین سیالکوٹ نے جہاں زندگی کے دیگر مختلف شعبوں کے نامور سپوت پیدا کئے وہیں اسلام کے گلشن کی آبیاری کرنے والی عظیم شخصیات کو بھی جنم دیا۔ حضرت شیخ احمد سرہندی ''مجدد الف ثانی'' کا لقب دینے والے حضرت ملا عبدالحکیم سیالکوٹ سے لے کر امیر ملت پیر سیّد جماعت علی شاہ، مولانا شاہ ضیاء الدین مدنی اور پیر سیّد جماعت علی شاہ لاثانی تک اور مولانا ابوالنور محمد بشیر سے لے کر پاسبان مسلک رضا مولانا ابوداؤد صادق تک حضور ﷺ کے ہزاروں غلام اس مردم خیز خطہ سے ابھرے اور چار دانگ عالم میں عظمت اسلام کے پھریرے لہراتے چلے گئے۔

اسی ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں حضرت مولانا مست علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں انیسویں صدی کی چھٹی دہائی میں ''محمد صالح'' نامی ایک اسم بامسمیٰ بچے نے آنکھ کھولی۔ آپ ابھی صرف تین برس کے تھے کہ اکثر بڑے لوگوں کی طرح یتیم ہو گئے۔ آپ کے تایا جان مولانا امیر علی نے آپ کو ناظرہ قرآن پاک پڑھایا اور آپ کی نیک سرشت ماں نے دینی اور روحانی خطوط پر آپ کی شاندار تربیت فرمائی جس کے اثرات آپ کی پوری زندگی پر محیط ہیں۔

آپ لڑکپن ہی میں گجرات کے قریب واقع ایک نقشبندی خانقاہ باؤلی شریف سے وابستہ ہوئے اور نوجوانی میں ہی شیخ طریقت حضرت غلام محی الدین نقشبندی مجددی سے سلسلہ نقشبندیہ میں خرقہ خلافت حاصل کر لیا۔ جو آپ کے صفائے باطن کی دلیل ہے۔ 1986ء میں آپ تلاش معاش میں لاہور چلے آئے اور محکمہ ریلوے میں ملازمت اختیار کر لی اور لاہور کے مختلف مدارس میں جز وقتی تعلیم بھی حاصل کرتے رہے۔ تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق آپ کو وہبی طور پر ودیعت ہوا تھا اور اشاعتی کام کی اہمیت کا پورا پورا ادراک رکھتے تھے جس کا اظہار آپ نے اپنی کتاب ''تحفۃ الاحباب فی مسئلہ ایصال ثواب'' کے چھٹے صفحے پر بڑے خوبصورت پیرائے میں کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

''برادران احناف آپ زمانہ کی رفتار اور دیگر مذاہب کی اشاعت کی طرف توجہ کریں کہ وہ کیسی سرگرمی اور جانفشاہ کوششوں سے اپنے عقائد باطلہ کی اشاعت کررہے ہیں کہ آئے دن ہم میں سے کتنے ہی اشخاص نکل کران کے ہم خیال ہورہے ہیں''۔

آپکے اسی ''اشاعتی شعور'' کا مظہر ''کتب خانہ حنفیہ'' تھا جو آپنے لاہور میں قائم فرمایا اور اس کتب خانے کے ذریعے اسلام وسنیت کی خوب خوب اشاعت فرمائی۔ کتب خانہ حنفیہ ایک تجارتی ادارہ تھا لیکن اسکی پالیسی خدمت واشاعت اسلام تھی۔ جس کا اظہار اس خط سے ہوتا ہے جو مولانا موصوف نے 1906ء میں ایک عالم دین کے نام لکھا تھا۔ ذیل میں اس خط کا ایک اقتباس پڑھئے۔

''نیز اگر کوئی دینی کتب فارسی، اُردو وغیرہ مطلوب ہوا کرے تو ہمارے کتب خانہ سے طلب فرمایا کریں انشاءاللہ دیگر کتب فروشوں سے بارعایت مال بھیجا جائے گا''۔

حضرت مولانا مرحوم کا اصل میدان تصنیف وتالیف ہی رہا اور آپ اسی میدان کے مردر ہے۔ قسام ازل نے آپ کے قلم کو تاخیر کی دولت بخش رکھی تھی۔ راقم نے آپ کی چند کتابیں ملاحظہ کی ہیں، الہامی طرز نگارش اور زود نویسی آپ کے قلم کے نمایاں اوصاف ہیں۔

''میں نے قریباً ایک سو کتب مختلف مذہبی مضامین پر تیار کی ہیں اور حنفی مذہب اور صوفی مشرب کو مدنظر رکھا گیا ہے''۔ (مکتوب بنام مولانا غلام محی الدین دیالوی محررہ ۱۰ جون ۱۹۰۶)

اس مکتوب کے بعد آپ پچاس سے زیادہ سال تک زندہ رہے۔ اس طویل عرصہ میں نہ معلوم اس تعداد میں کتنا اضافہ ہوا ہوگا۔ آپ کی جن تصانیف کے نام معلوم ہوسکے ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

☆ تصور شیخ صفحات ۴۰۔ ☆ ضرورت شیخ صفحات ۶۰۔ ☆ تاثیر کلام صفحات ۳۲۔ ☆ دعا صفحات ۶۰۔ ☆ فضائل الجمعہ صفحات ۱۰۰۔ ☆ فضائل الصیام صفحات ۲۰۔ ☆ تحقیق لیلۃ القدر صفحات ۶۰۔ گلدستہ تصوف صفحات ۲۰۰۔ ☆ ترغیب الجماعت صفحات ۶۰۔ ☆ وعید بے نمازاں صفحات ۱۰۰۔ ☆ التوحید صفحات ۴۰۰۔ ☆ پردہ۔ ☆ فقہ نعمانی ترجمہ اردو خلاصہ کیدانی۔ ☆ فضائل رسول اللہ ﷺ یہ کتاب چار حصوص میں تقسیم ہے پہلے حصے میں یارسول اللہ ﷺ کہنے کی تحقیق ہے۔ دوسرا حصہ زیارت قبور، زیارت روضہ مقدسہ کی شرعی حیثیت اور علامہ ابن تیمیہ کے نظریات کی تردید پر مشتمل ہے۔ تیسرا حصہ حیات انبیاء واولیاء کے بیان میں ہے۔ چوتھے حصے

Marfat.com

اس مدرسہ میں مہتمم تھے حضرت مولانا رکن الدین الوری نے انؒ کی شاگردی اختیار کی اور اپنا دامن علمی جواہر سے بھرا۔

1304 ہجری میں دلّی کی جامع مسجد فتح پوری کے شاہی امام اور خانقاہ عالیہ مکان شریف کے خلیفہ مجاز علامہ مسعود احمد نقشبندی دہلوی کی بیعت کی اور ۵ سال ریاضت ومجاہدہ میں رہ کر سلوک نقشبندیہ کے اعلیٰ مدارج طے کئے۔

بھارتی صوبہ راجستھان کے شہر جے پور کے بزرگ مولانا ہدایت علی جے پوری اپنی کتاب ''معیار السلوک'' کے صفحہ نمبر ۳۰۱ پر علامہ محمد مسعود نقشبندی دہلوی علیہ الرحمۃ کی تعریف میں لکھتے ہیں۔ حضرت مولوی مسعود صاحب کی کیا تعریف کی جائے کہ جن کے مرشد امام علی شاہ مکان شریفی جیسے ہوں اور ان کے خلیفہ اور طالب مولوی رکن الدین الوری صاحب جیسے ہوں۔

1309ء میں مولانا کے پیر ومرشد علامہ محمد مسعود نقشبندی دہلوی نے مولانا کو خرقہ خلافت عطا کیا اور اسی سال وہ وصال فرما گئے۔ ان کا مزار شریف دہلی میں ہے۔

بعد ازاں مولانا حج وزیارت کو پہنچے تو وہاں کعبۃ اللہ کے سائے میں آپ کی ملاقات افغانستان کے مشہور مجددی بزرگ حضرت خواجہ ضیائے معصوم کابلی سے ہوئی اور انہوں نے فرمایا مولانا ہمیں خانہ کعبہ سے اشارہ ہوا ہے کہ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ آپ کو عطا کردیں لہٰذا ہم آپ کو قادریہ نقشبندیہ چشتیہ سلسلوں کے علاوہ ''نسبت اویسیہ'' بھی عطا کرتے ہیں۔

حج وزیارت سے واپس تشریف لا کر مولانا نے دین وسنیت کی خدمت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا۔ ایک طرف آپ جاہل مسلمانوں کی روحانی، اخلاقی اور علمی تربیت فرماتے اور دوسری طرف مشرکین ہند کو شرک کی آلودگیوں سے بچا کر اسلام کی فطری پاکیزگیوں کی طرف لاتے۔ آپ نے عمر بھر تبلیغی وتدریسی خدمات انجام دیں۔ اس کے باوجود تصنیفی میدان میں بھی کام کرتے رہے۔ 1335 میں آپ نے مسلمانوں کو اپنے بنیادی عقائد سے آگاہ کرنے کے لئے ایک کتاب ترتیب دی جس کا نام ''توضیح العقائد'' ہے۔

پھر جب میلاد کا انکار کرنے والے نئے نئے مذہبی راہنما نمودار ہونے لگے تو پھر آپ نے

1339 میں ''مولود محمود'' لکھی۔ پھر 1345 میں ''روح الصلوٰۃ'' تصنیف فرمائی اور پھر رسالہ ''دافع طاعون'' اور رسالہ ''اربعین'' لکھے۔ یوں تو مولانا کی برکات نے اپنے عہد میں اہل اسلام کی فکری ونظریاتی ضرورتوں کو پورا کیا مگران کی کتاب ''رُکن دین'' کو جودائمی شہرت حاصل ہوئی وہ اپنا جواب نہیں رکھتی۔

مولانا کی تبلیغی مساعی کے مبارک اثرات پوری ریاست میں پھیل چکے تھے۔ آپ کے مریدین کا حلقہ ہندوستان بھر میں موجود تھا۔ آپ کے تلامذہ آپ کے مشن کو آگے بڑھا رہے تھے۔ آپ کی کتابیں اہل علم میں اپنا مقام پیدا کر چکی تھیں۔ ایک دن اچانک آپ نے جمعہ کے اجتماع سے خطاب فرماتے ہوئے فرمایا کہ یہ جمعہ میری زندگی کا آخری جمعہ ہے، تمام دوست آخری مصافحہ کرلیں لوگ فرطِ جذبات میں آپ سے لپٹ گئے اور اپنے اپنے انداز میں اظہارِ عقیدت کرنے لگے اور بلائیں لینے لگے۔ آپ نے لوگوں کو صبر کی تلقین کی اور شوال کی ۱۸ تاریخ کو اپنے فرزند ارجمند حضرت مفتی محمد محمود الوری کو خاندانی، علمی اور روحانی وراثتوں کا امین بنا کر ۲۱ شوال 1355 ہجری کو بہشت سدھار گئے۔ مفتی محمد محمود الوری علیہ الرحمہ حیدر آباد سندھ میں مدفون ہیں۔

مولانا رُکن الدین الوری کے پوتے جامعہ رکن الاسلام حیدر آباد کے پرنسپل اور قومی اسمبلی کے رُکن ابوالخیر ڈاکٹر محمد زبیر الوری کی نگرانی میں ہر سال ۲۱ شوال کو حیدر آباد میں مولانا کا عرس بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد ہوتا ہے۔

رکن دین پچھلے پورے سو سال سے برابر چھپ رہی ہے اور تاجران کتب کی اصطلاح میں اسے ''رننگ آئٹم'' کی حیثیت حاصل ہے۔ میری معلومات کے مطابق اردو دنیا میں بہار شریعت کے بعد یہ مقبول ترین فقہی کتاب ہے۔ ہر اشاعتی کمپنی اسے خوشی سے چھاپتی ہے اور چھاپنے کے بعد بھی خوش رہتی ہے۔

رُکن دین کی اردو پچھلی صدی کی اُردو ہے اور اب اردو کا محاورہ کافی ارتقائی صورت اختیار کر گیا ہے۔ لہٰذا کسی اُردو دان کا حق ہے کہ کتاب کی علمی وفقہی روح کو گزند پہنچائے بغیر اس کا محاورہ اُردو کے جدید اسلوب کے مطابق ڈھالے تاکہ پچھلی صدی کی ''رکن دین'' کی مقبولیت آئندہ صدی میں بھی برقرار رکھی جاسکے۔

مطالعہ کے نذر ہیں۔

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ بملاحظہ مولانا المکرم ذی المجد والکرم حامیٔ سنن ماحی الفتن مولانا مولوی محمود جان صاحب دام فضائلہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بھائی مولوی غلام مصطفیٰ صاحب بخیریت ہیں؟ اپنے یہاں کی خیریت سے مطلع فرمایئے۔آپ کی زیارت برسوں میں ہوا کرتی ہے۔اور میں کثیر الاشغال کثیر النسیان جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ الاستمداد کے آخر میں جو اپنے احباب حامیانِ سنت کے اسماء گنائے ان میں آپ کا نامِ نامی کو سونے کے حرفوں سے لکھنے کا تھا۔سہو ہوگیا۔طبع کے بعد یاد آیا۔جس کا اب تک افسوس ہے۔خیریت سے اطلاع بخشئے۔سب احباب کو سلام والسلام مع الاکرام۔فقیر احمد رضا قادری عفی عنہ چار ربیع الآخر ۱۳۳۹ھ''۔

آپ مستجاب الدعوات بزرگ تھے۔مہلک زخم پر لعاب دہن لگا دیتے تو مریض شفا پا جاتا۔جادو ٹونہ اور جن بھوتوں کے ستائے ہوئے لوگ آپ سے روحانی علاج کراتے۔بیماریوں کے روگی آپ سے طبعی فوائد حاصل کرتے، مہمان بن کر آنے والے آپ کی روایتی اور خاندانی میزبانی سے لطف اندوز ہوتے اور مسائل معلوم کرنے والے آپ سے دینی راہنمائی حاصل کرتے۔الغرض جامجودھپور کے بچے بوڑھے جوان اور عورتیں آپ کا دِل سے احترام کرتے۔اور لفظ ''باپو'' کو اس کے اظہار کا ذریعہ بناتے۔حضرت مولانا کوکب نورانی اوکاڑوی (حفظہ اللہ تعالیٰ) اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔مولانا نے جامجودھپور کی جامع مسجد میں تقریباً 80 برس امامت و خطابت اور تبلیغ و تدریس فرمائی اور دینی خدمات بلا معاوضہ انجام دیں۔اور ذریعہ معاش تجارت رکھا۔مہمان نوازی اور اہل علم کی خاطر داری میں مشہور تھے۔بدمذہبوں سے مناظرے بھی کئے وہ راہِ حق میں تمام عمر مردِ میدان رہے۔(جہان رضا لاہور فروری 2005)

3 صفر 1370ھ/نومبر 1950ء میں 115 سال کی عمر پا کر جامجودھپور میں وصال فرمایا۔ جہاں آپ کا روضہ مبارک مرجع خلائق ہے۔آپکے فرزند اکبر حضرت مولانا غلام مصطفیٰ

موت جب دامن رحمت کی ہوا لائی ہو
مرنے والے کو نہ کیوں چین کی نیند آئی ہو

اس کے ہونٹوں کے تبسم پہ نہ کیوں جاں ہو نثار
جن کی ٹھوکر میں بھی اعجاز مسیحائی ہو

روضہ خلد بریں کیوں نہ ہو تربت اس کی
خاک طیبہ پہ کبھی جس کی جبیں سائی ہو

کنج مرقد میں دکھا دو رُخ انور مولا
غیرت خلد مرا گوشہ تنہائی ہو

تیرے دربار سے ملتا ہے انہیں بھی صدقہ
دو جہاں میں بھی کبھی جس کی نہ شنوائی ہو

حمد رب کرتا ہوا جائے گا فردوس بریں
جس نے احمد کی غلامی کی سند پائی ہو

کیوں نہ خاکی تجھے اس در سے ملے گی صحت
خضر و عیسیٰ کی بھی جس در سے مسیحائی ہو

دکھا یارب فضائے گلشنِ اسرار کیسی ہے
بہارِ بوستانِ احمد مختار کیسی ہے

سنگھا خوشبوئے زلفِ احمدِ مختار کیسی ہے
نسیمِ عطر بیزِ کوچۂ دلدار کیسی ہے

چکھا دے چاشنی شربتِ دیدار کیسی ہے
تجلی جمالِ احمدِ مختار کیسی ہے

خلیل اللہ جملہ انبیاء ہیں اُن کے سایہ میں
تعالیٰ اللہ شانِ سید ابرار کیسی ہے

کلیم اللہ کو ہے فخر جس کی ہم کلامی سے
سنا دے اس لبِ جاں بخش کی گفتار کیسی ہے

نظر جب عالمِ رویا میں بھی صورت نہیں آتی
تو پھر دل میں الٰہی حسرتِ دیدار کیسی ہے

یہ سچ ہے میرے عصیاں کا اندھیرا قبر میں ہو گا
مگر شمعِ جمالِ رحمتِ غفار کیسی ہے

قیامت ہے اگرچہ عاشقوں کا ہجر میں مرنا
حیاتِ اشتیاقِ لذتِ دیدار کیسی ہے

بڑھایا خود کو خاکی سے تو مرتد ہو گیا شیطاں
نہ سمجھا یہ کہ خاکِ کوچۂ دلدار کیسی ہے

پوری طرح چھا گئے۔

اسی سال 1926ء میں آپ نے پاکستان ریلوے کے عظیم صنعتی مرکز ''لوکو ورکشاپ'' مغلپورہ لاہور میں جمعہ کی خطابت کا سلسلہ شروع کیا۔ جو آپ کے سال وصال ۱۹۷۸ء تک یعنی مسلسل ۵۲ سال تک جاری رہا۔ آپ کے خطاب کی اثر آفرینی کا یہ کمال ہے کہ بہت سے خوش نصیب اور باذوق لوگ صرف آپ کا خطاب سن سن کر ہی عالم کے درجے کو پہنچ گئے اور آج وہ خود جمعہ پڑھا رہے ہیں۔

اسی سال 1926ء میں آپ نے حجاز مقدس میں وہابی حکومت کی طرف سے صحابہ کرام کے مزاراتِ مقدسہ کی پائمالی اور اشرافِ اہل سنت پر ظلم و بربریت کے خلاف ۱۲ مارچ کو لاہور میں پہلا احتجاجی جلسہ عام منعقد کیا۔ جس کے اثرات پنجاب بھر میں پھیلے اور مسلمانان پنجاب نے نجدی لٹیروں کے خلاف کھل کر اپنے مذہبی جذبات کا اظہار کیا گویا آپ کے ایک جلسے سے اہل پنجاب کو زبان مل گئی۔ اس دور میں ظفر علی خان کے اخبار ''زمیندار'' نے آپ کے خلاف بڑی گھٹیا اور سوقیانہ زبان استعمال کی اور مشرکین مکہ کی ''ہجو گوئی'' کی مردہ روایت کو دوبارہ زندہ کر دیا۔ لیکن آپ نے طعن و تشنیع کے تیر برداشت کئے مگر مقامات مقدسہ کی توہین و تضحیک برداشت نہ کی اور ظفر علی خان کی ہرزہ سرائیوں اور زہر افشانیوں کے جواب میں ہمیشہ قرآن و سنت کے دلائل سے مزین مثبت انداز فکر اپنایا۔ آپ کی تصانیف ضیاء القنادیل، وہابیوں کی کہانی، مزارات کی شرعی حیثیت اسی دور کی علمی یادگاریں ہیں۔

۱۹۳۶ء میں آپ نے اپنے پیر و مرشد سرکار کلاں حضرت سیّد علی حسین شاہ اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ اور استاد محترم و مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی رفاقت میں حجاز مقدس کا سفر فرمایا اور حج و زیارت سے سرفراز ہوئے اہل محبت کی ضیافت طبع کے لئے آپ کی ذاتی ڈائری سے اس ''سفر محبت'' کے ابتدائی احوال نقل کئے جاتے ہیں۔

''۲۴ جنوری ۱۹۳۶ء بروز جمعۃ المبارک پانچ بجے شام دفتر حزب الاحناف لاہور

اندرون دہلی گیٹ سے روانہ ہوئے۔احباب نے بکثرت پھولوں کے ہار گلے میں ڈالے۔راستے میں اور اصحاب ملے۔نعرہ ہائے تکبیر سے فضاء آسمان گونج اُٹھی۔اسٹیشن پر اول مراد آباد کا ٹکٹ چھ روپے گیارہ آنے میں لیا اور اسباب کا کرایہ تین روپے بارہ آنے ادا کئے۔اسٹیشن پر فقیر کو رخصت کرنے کے لئے صدہا احباب تشریف لائے مندرجہ ذیل احباب قابل ذکر ہیں۔ برادرم (سیّد ابوالحسنات محمد احمد قادری) خطیب مسجد وزیر خان، برادرم مولانا منور علی صاحب، مولانا سیّد مبارک علی خان، بھائی چنن دین (مالک صابری پریس)، بھائی سراج الدین اشرفی، بھائی احمد علی، حافظ مظہر الدین، مولوی محبوب عالم، مولوی غلام دین، مولوی احمد علی شمیم، حاجی شمس الدین، مستری فیروز دین نے باکمال محبت وشفقت و دلیل ہمدردی وخلوص کے ساتھ رخصت کیا۔ بڑے بھائی صاحب (علامہ ابوالحسنات) سہارنپور تک میرے ساتھ آئے اس وقت رات کے تین بجے تھے۔ وہاں سے تین بجے کی ٹرین سے بھائی صاحب دہلی روانہ ہوئے اور ہم مراد آباد!۔

صبح آٹھ بجے مراد آباد اسٹیشن پر پہنچے مراد آباد سے کلکتہ کا ٹکٹ ۹ روپے تین آنے میں لیا۔حضرت صدر الافاضل مع مولوی محمد یونس اور مولوی مسعود احمد دہلوی انٹر میں تھے۔۲۶ جنوری ۱۹۳۶ء بروز اتوار کلکتہ اسٹیشن پر پہنچے تو کثیر جماعت اشرفیہ نے استقبال کیا۔چار روز کلکتہ میں قیام رہا۔۳۰ جنوری ۱۹۳۶ء جہانگیری جہاز میں سوار ہوئے۔قبلہ مرشدی کو کرسی پر بٹھا کر جہاز پر لایا گیا۔وہ منظر قابل دید تھا۔ جماعت اشرفیہ اپنے مرشد کی زیارت سے فیض یاب ہو رہی تھی۔مخدوم زادہ محمد میاں بھی کلکتہ بلائے گئے تھے بوقت رخصت تاب ضبط گریہ نہ کر سکے۔حضرت نے بے حد تسلی آمیز کلمات تلقین کئے۔حضرت پیر و مرشد کے ساتھ حافظ محمد ابراہیم اچھے میاں صاحب اور محدث صاحب تھے۔ جہاز دو میل فی گھنٹہ طے کرتا تھا۔حاجی عبدالعزیز کا جہاز کی انتظامیہ پر بہت اثر ہے وہ تمام راستے حضرت پیر و مرشد اور ان کے ہمراہی علماء مشائخ کو سہولتیں پہنچاتے رہے۔ جہاز میں سواری کے وقت طوفان نہ تھا ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے گھر میں بیٹھے ہیں۔مگر ۳ فروری ۴ بجے دن کے سخت طوفان آیا۔حضرت پیر و مرشد نے دعا کی۔طوفان تھما۔ایک مچھلی وزن دس سیر سمندر

(۱) مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ (۲) چوہدری میر ظفر اللہ کو جو قادیانی ہے وزیر خارجہ کے عہدے سے ہٹایا جائے۔ (۳) قادیانیوں کو ملک کے تمام اہم کلیدی عہدوں سے برطرف کیا جائے۔

امام اہل سنت نے اس تحریک کے دوران جگہ جگہ دورے کئے اور متعدد جلسوں سے خطاب کیا آپ کی خطابت انگریز کے خود کاشتہ پودے قادیانیت کی سرکوبی کیلئے وقف تھی۔ غرضیکہ حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے بانی ہیں اور آپ کا یہ عظیم کارنامہ تاریخ کے صفحات پر رقم ہے اور ہمیشہ ہمیشہ آفتاب نیم روز کی طرح درخشاں رہے گا"۔ (گلدستہ تقاریر، مطبوعہ صراط مستقیم پبلی کیشنز)

روزنامہ نوائے وقت لاہور اپنی 8 ستمبر 2005ء کی اشاعت میں ادارتی صفحہ پر رقمطراز ہے "50 کی دہائی کے شروع میں جب قادیانی شتر بے مہار بنے اور اسلام و پاکستان کے خلاف سازشوں کا جال بچھانے لگے تو اہل ایمان عشق رسول ﷺ کے جذبہ سے سرشار ہو کر تن من دھن کی بازی لگانے کیلئے میدان عمل میں اتر پڑے۔ 1952ء میں مسلم لیگ صوبہ پنجاب کی مجلس عاملہ کے رکن حضرت امام احمد سعید کاظمی نے مسلم لیگ کے اجلاس میں قادیانیوں کے خلاف سب سے پہلی قرارداد منظور کروائی اور قادیانیون کو ملک کے اہم اور کلیدی عہدوں سے ہٹانے کا مطالبہ کیا"۔ (ماہنامہ کنزالایمان، لاہور ستمبر 2007ء۔ بشکریہ نوائے وقت لاہور، 8 ستمبر 2005)

ختم نبوت کے حوالے سے صادق علی زاہد نے سوالاً جواباً "عقیدۂ ختم نبوت اور فتنہ قادیانیت" کے نام سے ایک بہت قیمتی اور معلومات افزا کتاب مرتب کی ہے آپ اس کتاب کے صفحہ 116 (طبع جدید) پر لکھتے ہیں۔

سوال: کن بزرگ عالم دین نے پنجاب مسلم لیگ کے اجلاس میں قرارداد پیش کی تمام قادیانیوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کو روکنے کی غرض سے ظفر اللہ خاں کو اُس کے عہدے سے ہٹایا

ہمراہ ایک بار امام اہل سنت مجدد دین وملت اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس مبارک میں حاضر ہوئے اور خانقاہ عالیہ رضویہ کی بالائی منزل پر جلسہ تھا۔ ہزاروں علماء ومشائخ اہل سنت تشریف لائے ہوئے تھے اور وقفہ وقفہ سے تقریر کررہے تھے۔

شہزادہ اعلیٰ حضرت امام العلماء سیدنا حضرت مفتی اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز اپنے کاشانہ اقدس کے باہر رضوی دارالافتاء میں رونق افروز تھے۔ علامہ کاظمی کے خطاب کی باری آئی اور حضرت علامہ کاظمی نے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت کے تجدیدی کارناموں پر فصیح وبلیغ اور جامع تقریر شروع فرمائی، دارالافتاء میں تقریر کی آواز پہنچ رہی تھی، شہزادۂ اعلیٰ حضرت سرکار مفتی اعظم نے اظہار مسرت کے ساتھ تقریر کی جامعیت اور قوت استدلال کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا امروہہ کے چھوٹے شاہ صاحب تقریر کررہے ہیں ماشاء اللہ خوب فصاحت وبلاغت ہے، بہت اچھا مطالعہ ہے اللہ برکت دے۔ (حیات غزالی زماں، ص ۴۵)

1945ء میں باقاعدہ ایک مدرسہ قائم کیا جو انوار العلوم کے نام سے موسوم ہے، ہفت روزہ ''الفقیہ'' امرتسر 7 سے 14 جون 1945 کے شمارے میں آپ نے ایک اشتہار شائع کروایا جو امام احمد رضا سے آپ کی قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے۔

''دو مستند مدرس عالموں کی ضرورت ہے جو اول سے آخر تک کی تمام کتب درسیہ بخوبی پڑھا سکیں اور حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عقیدہ ہوں۔ تنخواہ ہر مدرس کو سو روپیہ ماہوار دی جائے گی کھانے اور رہائش کا بھی معقول انتظام کیا جائے گا۔ سیّد احمد سعید کاظمی امروہوی مہتمم مدرسہ اسلامیہ عربیہ انوار العلوم متصل چوکی چہلیک کچہری روڈ، ملتان''۔

یہ اعلیٰ حضرت کی محبت وعقیدت ہی کا کرشمہ تھا کہ حضور غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ انوار العلوم میں ہر سال ''یوم رضا'' کی تعطیل منظور کی ہوئی تھی۔ آپ نے مدرسہ انوار العلوم میں یوم رضا کی تقریب کا بزم سعید کی طرف سے باقاعدہ انتظام فرمایا اور اب بھی جامعہ انوار العلوم میں یوم رضا کی بابرکت روحانی تقریب ہر سال باقاعدہ منائی جاتی ہے۔ جب آپ نے انوار العلوم میں یوم رضا شروع فرمایا اور اعلیٰ حضرت کی عظیم وجلیل شخصیت مقدسہ پر خطاب فرمایا تو آپ پر ایک خاص روحانی وجدانی کیفیت طاری ہوگئی اور بے خودی کے عالم میں بچشم

حبیب ومحبوب ﷺ سے آپ کی اُمت کے بارے میں مشورہ فرمایا)۔کو جھوٹی قرار دیا حالانکہ اس وقت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ اور مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ سمیت اعلیٰ حضرت کے کئی جید تلامذہ وخلفاء بھی بقید حیات تھے۔مگر حضرت غزالی زماں نے اپنے امام ومجدد سیدنا اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے تحفظ ودفاع میں جو مدلل ومحقق جواب ارقام فرمایا وہ آپ ہی کا حصہ ہے اور تحقیقات علمیہ کا اعلیٰ شاہکار ہے حضرت امام کاظمی نے یہ مبارک حدیث جو اعلیٰ حضرت نے بغیر حوالہ صفحہ محض مسند امام احمد کے نام سے نقل فرمادی تھی۔مسند امام احمد جلد پنجم وغیرہ اور کنز الاعمال جلد ششم اور خصائص کبریٰ جلد دوئم سے حرف بہ حرف نقل فرمادی ثابت فرمادیا کہ اعلیٰ حضرت کی نقل فرمودہ حدیث مسند احمد، مطبوعہ مصر، جلد۵، ص۳۹۳۔کنز الاعمال جلد۶، ص۲۔خصائص کبریٰ جلد۲ص۲۱۰۔ پر موجود ہے۔اور دیگر حوالہ جات سے دشمنان اعلیٰ حضرت کا ناطقہ بند کردیا۔آخر میں امام کاظمی فرماتے ہیں ''الحمدللہ'' اہل علم نے دیکھ لیا کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد وملت قدس سرہ العزیز علم وفضل کا وہ بحر ذخار ہیں جس کے ساحل تک بھی منکرین کی رسائی نہیں ''ذلک فضل اللہ''

مختصر یہ کہ تفسیر نیشاپوری، تفسیر سراج المنیر، تفسیر کشاف، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی، تفسیر روح البیان اور مفردات راغب کے مدلل حوالوں سے حدیث مشورہ کا اثبات فرمایا اور ثابت فرمایا کہ حضرت امام کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے مسلک حق کے جانثار مجاہد و محافظ ہیں۔(نوٹ یہ کتابچہ حال ہی میں ''حدیث استشارہ'' کے عنوان سے الرضا لائبریری ریلوے پاور ہاؤس، مغلپورہ، لاہور نے شائع کیا ہے)

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''شمول الاسلام'' میں آیت **و تقلبك فی الساجدین** کے تحت امام رازی علیہ الرحمۃ کا ایک قول نقل کیا ہے جس کا کوئی حوالہ نہ دیا۔

امام کاظمی کے شاگرد رشید مولانا غلام رسول سعیدی دامت برکاتہم نے امام کاظمی علیہ الرحمۃ سے سوال کیا کہ حضرت! اس آیت کے تحت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے امام رازی کا جو حوالہ دیا ہے وہ تفسیر کبیر میں تو نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا: امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کی تصنیف ''اسرار التنزیل'' کے حوالے سے یہ تفسیر نقل کی ہے اور اس کتاب کا نام ''التعظیم والمنۃ فی ان ابوی رسول اللہ فی الجنۃ''، طبع حیدر آباد دکن ص۵۰ ہے

فتویٰ نہ دے چکے ہوں۔کوئی شخص قیامت تک ایسی کوئی بات ثابت نہیں کرسکتا کہ ایسی بات پر اعلیٰ حضرت نے کفر کا فتویٰ لگایا ہو جو مخالفین کے نزدیک بھی کفر نہ ہو"۔

اسی طرح آپ کی ایک دوسری تقریر "چودھویں صدی کا مجدد کون" بھی بزم عاشقان مصطفیٰ، فلیمنگ روڈ، لاہور نے کتابی صورت میں چھاپ دی ہے، اس کے آغاز میں صفحہ نمبرے پر آپ فرماتے ہیں کہ "اعلیٰ حضرت کے کارناموں کا ہم احاطہ نہیں کرسکتے، ان کی قابلیت ان کا تقویٰ ،ان کی ذہانت، کسی ایک پر بھی گفتگو کی جائے تو ختم نہ ہو۔اعلیٰ حضرت دنیا کے تمام علوم پر حاوی تھے۔علوم عقلیہ ہوں یا نقلیہ، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام علوم آپ کی بارگاہ میں دست بستہ کھڑے ہیں۔اعلیٰ حضرت کے علوم کی کوئی انتہا نہیں، آپ کی کتابوں کو پڑھا جائے اور بالخصوص فتاویٰ رضویہ کو ہمارے مدارس میں پڑھا دیا جائے تو ایسے ایسے عالم نکلیں گے کہ ان کا کوئی جواب نہیں ہوگا۔کیونکہ خود فتاویٰ رضویہ کئی علوم کا خزینہ ہے۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے کسی بھی فتویٰ پر کسی قسم کی تنقید حضرت سیدنا امام احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ برداشت نہیں کرتے تھے۔سابق صوبائی وزیر مفتی غلام سرور قادری اپنی کتاب "الشاہ احمد رضا" صفحہ ۶۲ تا ۶۴، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء میں لکھتے ہیں کہ "ایک مرتبہ ملتان میں حضرت قبلہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا اور اس دوران داڑھی کی حد شرع ایک مشت کے واجب ہونے سے متعلق اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے کا ذکر آیا کہ جو شخص داڑھی ایک مشت سے کم کرواتا ہے وہ فاسق معلن ہے اور اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہے اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے پر فقیر نے انوار العلوم کے بعض اساتذہ کی تنقید کا ذکر کیا، سیدی وسندی قبلہ کاظمی رحمۃ اللہ علیہ اس وقت لیٹے ہوئے تھے، یہ سنتے ہی اُٹھ بیٹھے اور اعلیٰ حضرت کے اس فتوے پر تنقید کرنے والے صاحب پر ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اعلیٰ حضرت کے فتوے پر تنقید ہم سے برداشت نہیں ہوگی، یہ مدرسہ اعلیٰ حضرت کے نظریات حقہ کا علم بردار ہے۔ہم کیا ہیں؟ اعلیٰ حضرت ہیں، سب کچھ انہیں کا صدقہ ہے ہم انہیں کے ریزہ خوار ہیں، ہم انہیں کے نام لیوا ہیں۔جو شخص اعلیٰ حضرت کے نظریات وتحقیقات شریفہ سے متفق نہیں ہم اسے برداشت نہیں کرسکتے۔ہمارے مدرسہ میں ایسے شخص کی کوئی گنجائش نہیں"۔

مزید فرمایا: ہم سب اہل سنت اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کی عظمت فکر کے مداح خواں ہیں اور

جو علماء اہل سنت میدان تحقیقات میں جولانیاں دکھاتے یا فضائے تدقیق میں پرواز کرتے ہیں۔ یہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے فیوضات ہیں جس سے کوئی سنی عالم بے نیاز نہیں رہ سکتا"۔

مفتی غلام سرور قادری ہی ایک اور مضمون میں لکھتے ہیں "ایک مرتبہ راقم مولانا نور احمد فریدی علیہ الرحمہ کے عرس کے موقع پر حضرت کے ساتھ جتوئی شہر (ضلع مظفر گڑھ) گیا، رات کو حضرت تقریر کر کے اپنی نشست گاہ پر تشریف لائے اور اپنی چارپائی پر لیٹے تو راقم آپ کے پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا کہ کوئی بات کریں۔ راقم نے عرض کی کہ مدرسہ انوار العلوم میں ایک صاحب نے اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ تو علم ظاہری کے ایک عالم تھے۔ بس یہ سنتے ہی حضرت اُٹھ کر بیٹھ گئے، پھر فرمایا کہ مولانا جس نے یہ بات کی ہے وہ اعلیٰ حضرت کے مقام سے بے خبر ہیں پھر فرمایا کہ مولانا اعلیٰ حضرت بریلوی اپنے زمانے کے مجدد برحق ہونے کے ساتھ ساتھ بے مثل عالم، بے مثل فقیہ، بے مثل محقق تھے پھر فرمایا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے زمانے کے غوث اور قطب عالم تھے۔ ان کی مثال اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ سے پہلے دور دور تک بھی نظر نہیں آتی، درحقیقت میرے سمیت اس دور کے تمام سنی علماء اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ ہی کے چشمہ علم و عرفان سے مستفید و مستفیض ہونے والے ہیں۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے بعد اُن کے دو صاحبزادوں حجۃ الاسلام حامد رضا خان علیہ الرحمۃ، مفتی اعظم ہند حضرت علامہ مصطفیٰ رضا خان علیہ الرحمہ جیسی ہستیاں بھی اپنی جگہ بے مثل ہیں اور ان کے پائے کی علمی و حقانی اور ربانی شخصیتیں نظر نہیں آتیں۔

ضلع وہاڑی کی تحصیل میلسی کے کچھ لوگوں نے جو امام احمد رضا کے مقام مرتبہ سے واقف نہ تھے میلسی میں عرس اعلیٰ حضرت اور خلیفہ اعلیٰ حضرت علامہ سید ابوالبرکات کے خطبہ جمعہ میں رکاوٹ ڈالنا چاہی تو حضرت مولانا حسن علی رضوی بہاولپور میں غزالی زماں کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر آپ کی قیام گاہ سے پتہ چلا کہ امام کاظمی عرس اعلیٰ حضرت میں شرکت کے لئے تیز گام سے کراچی جا رہے ہیں اور ابھی پانچ منٹ پہلے رکشہ سے اسٹیشن تشریف لے گئے ہیں مولانا حسن علی بھی دوسرے رکشہ سے ریلوے اسٹیشن پہنچے مگر اس وقت ریل گاڑی آہستہ آہستہ روانہ ہو چلی تھی، آپ چلتی گاڑی میں سوار ہوئے اور سمہ سٹہ ریلوے اسٹیشن پر اُتر کر آپ کا ڈبہ تلاش کرنا شروع کیا۔ آپ سب سے پچھلے سیکنڈ کلاس ڈبہ میں تشریف فرما تھے مولانا حسن علی رضوی اس ڈبہ میں سوار ہوئے مگر عین اسی

وقت حضرت غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنا مصلیٰ جائے نماز لے کر نماز عصر ادا کرنے کیلئے نیچے اُترے اور نماز عصر ادا فرمائی۔ جب دعا سے فراغت پائی تو مولانا حسن علی رضوی نے عرض کیا کہ میلسی میں فلاں فلاں حضرت عیدگاہ میلسی میں عرس اعلیٰ حضرت میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ میں اس سلسلے میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔ مولانا حسن علی رضوی نے عرض کیا کہ آپ فلاں فلاں حضرات کے نام مکتوب تحریر فرمادیں تو قبلہ کاظمی نے جو مکتوب تحریر کیا اس میں سلام دعا کے بعد لکھا کہ آپ لوگ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت قدس سرہ العزیز کے عرس مبارک میں ہرگز ہرگز کوئی رکاوٹ پیدا نہ کریں بلکہ تعاون کریں اگر سیدی حضرت علامہ سید ابوالبرکات خلیفہ اعلیٰ حضرت تشریف لائیں تو سبحان اللہ وہی جمعہ پڑھائیں۔

''مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء'' صفحہ ۳۵ جلد اول مطبوعہ ممبئی ۱۹۹۰ء میں علامہ شہاب الدین رضوی نے خلیفہ مفتی اعظم ہند حضرت امام کاظمی کا ذکر خیر کرنے کے بعد آپ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے ''حضور مفتی اعظم ہند تو مفتی اعظم عالم ہیں اس زمانے میں ان جیسا فقیہ و متقی میں نے دوسرا نہیں دیکھا، قرآن پاک میں خدا قدیر جل مجدہ خود ارشاد فرماتا ہے ''**ان اولیائہ الا المتقون**'' انہیں دیکھنے سے خدا یاد آتا ہے، یہ خود ان کی ولایت کی دلیل ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ فقیر کاظمی کو سرکار مفتی اعظم ہند قبلہ سے خلافت واجازت کا شرف حاصل ہے''۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے خاندان کے ہر فرد کا آپ کے دل میں بہت احترام تھا۔ پروفیسر سید محمد جمیل الرحمٰن ماہنامہ عرفات مئی جون ۱۹۹۰ء صفحہ ۲۶ پر اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں۔

''گذشتہ سالوں میں جب جماعت اہل سنت (جس کے آپ مرکزی صدر تھے) کے چند افراد نے آپ سے اختلاف کیا جس پر آپ نے بھی ان سے ناراضگی کا اظہار کیا، اتفاقاً حضرت مفتی اختر رضا خان بریلوی مدظلہ پاکستان تشریف لائے تو لاہور کے علماء نے ان کو صلح کے لئے ثالث مقرر کیا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ میں حضرت کاظمی صاحب کے پاس جاؤں گا تاکہ اختلاف ختم ہو سکیں۔ ادھر جب آپ کو معلوم ہوا کہ حضرت مفتی اختر رضا خاں مدظلہ ثالثی کے لئے تشریف لا رہے ہیں تو امام کاظمی فرمانے لگے کہ اگر مجھے حضرت مفتی اختر رضا خان نے کہا تو میں اپنے مخالفین کے پاؤں پڑ جاؤں گا۔ آخر وہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی اولاد جو ہیں۔

حضرت مولانا سردار احمد رضا فاضل جامعہ نظامیہ، لاہور بریلی شریف کے سجادہ نشین کے

مجلّہ ''تعلیمات'' ملتان اپنی ۱۹۹۰ء کی ایک اشاعت میں صفحہ ۴۴ پر لکھتا ہے۔ حضرت امام کاظمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پیر و مرشد حضرت علامہ سید محمد خلیل کاظمی محدث امروہوی علیہ الرحمۃ (م ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۹۷۰ء) کے عرس مبارک منعقدہ ۶ شوال ۱۴۰۵ھ کے موقع پر اپنے اختتامی خطاب میں اپنے مریدین کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ''بنیادی وصیت یہ ہے کہ اپنے مذہب پر قائم رہو۔ تو میں آپ کو بتادوں کہ امام اہل سنت مجدد دین وملت الشاہ احمد رضا فاضل بریلوی کا مسلک میرا مسلک ہے میرے تمام مریدین اسی مسلک پر قائم رہیں جو اعلیٰ حضرت کے مسلک سے ایک قدم بھی باہر رکھے گا وہ میرا مرید نہیں، ہاں وہ میرا مرید نہیں، ہاں وہ میرا مرید نہیں''۔

برصغیر کی پڑھی لکھی دنیا میں امام احمد رضا کو متعارف کرانے اور تحقیقات کی دنیا میں ''رضویات'' کا باب کھولنے والے حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ امام احمد سعید کاظمی سے اپنی عقیدت کا اظہار الہامی فضا میں لپٹے ہوئے ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

''غزالی زماں رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی امروہوی چشتی صابری قادری بانی انوار العلوم ملتان اُن بزرگوں میں سے ہیں جو علم و فضل کے بحر ذخار اور دریائے معرفت کے شناور تھے۔ شہرت اُن پر ایسی عاشق و شیدا تھی کہ ہر وقت اُن کے دروازے پر دربانی کے فرائض سرانجام دیتی تھی یہ بزرگ قیام پاکستان سے بہت پہلے پورے برصغیر پاک و ہند میں اپنی فضیلت علمی اور شرافت نفسی کا لوہا منوا چکے تھے۔ امرتسر میں سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا عرس مبارک نہایت تزک و احتشام سے منعقد ہوا کرتا تھا۔ اس مقدس و بابرکت محفل میں سربرآوردہ مشائخ اور جید علمائے کرام شرکت کرنا اپنے لئے باعث فخر و مباہات جانتے تھے۔

چنانچہ مذکورۃ الصدر بزرگ بھی اس سہ روزہ محفل (اجلاس) میں شرکت فرماتے اور اہالیان امرتسر کو اپنے مواعظ حسنہ و علمیہ سے بہرہ ور فرماتے۔ لہٰذا احقر اُس زمانے سے ان بزرگ کے مداحین میں شامل تھا پاکستان میں ہجرت کے بعد ان بزرگ کو بہت قریب سے دیکھنے کا بھی موقع میسر آیا اور یہ بزرگ فقیر حقیر پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ 1973ء میں جب راقم السطور کو مدینہ منورہ میں حاضری کی سعادت عظمیٰ نصیب ہوئی تو وہاں قطب مدینہ شیخ العرب والعجم حضرت شاہ ضیاء الدین احمد قادری مہاجر مدنی خلیفہ خاص اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں قادری

آستانہ عالیہ کا روحانی ماحول، حضرت شاہ لاثانی کی صحبت کا اثر، تہجد کا وقت اور مقبولیت کی گھڑی، مولانا محمد مسعود رحمۃ اللہ علیہ حضرت شیخ طریقت سے عرض پرداز ہوئے کہ حضور افتخار کو بھی اپنی غلامی میں داخل کر لیجئے۔ حضرت نے داخل سلسلہ کیا اور توجہ فرمائی جو سلسلہ نقشبندیہ کا خاصہ ہے۔ بس پھر کیا تھا نوجوان کھلاڑی راہِ طریقت کا سالک بن گیا اور مرشد کی زلف گرہ گیر کا ایسا اسیر ہوا کہ حالات کے طوفان اور مصائب کے پہاڑ اسے اپنے راستے سے نہ ہٹا سکے۔ ذات بے نیاز کی حکمتیں بھی کتنی عجیب ہیں ادھر مرشد کامل کا دامن نصیب ہوا اور ادھر شفقت پدری کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔

والد صاحب کے وصال کے بعد آپ کے اندر احساس ذمہ داری پیدا ہوئی تو آپ نے علم دین حاصل کرنے کے لئے سفر شروع کیا ابتداً آپ نے شاہ کوٹ کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے میر پور میں حضرت مولانا سید احمد شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی شاگردی اختیار کی اور سال بھر انتہائی ..... کے ماحول میں مجاہدہ و ریاضت کے ساتھ ابتدائی کتابیں صرف بہائی اور نحو وغیرہ پڑھیں۔

بعد ازاں اندرون دہلی دروازہ لاہور میں مفتی اعظم پاکستان ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں کچھ عرصہ پڑھا حزب الاحناف میں پڑھائی کے دوران ہی آقا بیدار بخت کے نائٹ کالج سے منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا۔ پھر کچھ کتابیں جامعہ نعمانیہ میں پڑھیں۔ پھر جامعہ فتحیہ اچھرہ میں ملا حسن، ملا جلال، میر زاہد، صدرہ، مقامات حریری، مشکوٰۃ شریف اور تفسیر جلالین، شیخ الحدیث مولانا غلام رسول رضوی اور حضرت مولانا مہر محمد رحمۃ اللہ علیہما سے پڑھیں اور دورہ حدیث صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی سے جامعہ نعیمیہ مرادآباد میں پڑھا۔ مرادآباد کے قیام کے دوران شاعری سے بھی شغف فرماتے رہے اور طرحی اور غیر طرحی مشاعروں میں کلام پڑھتے رہے بعد حالات نے مشق سخن جاری نہ رہنے دی لیکن اس دور میں جگر مرادآبادی تک سے داد پائی۔ دورہ حدیث کی تکمیل پر مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی نے دستار فضیلت

تکلیف گذشتہ دو برس سے تھی لیکن اس کے باوجود آپ ربوہ ختم نبوت کانفرنس میں شریک ہوا کرتے تھے۔شاہ صاحب کے ایک خادم اور رفیق نے بتایا کہ ایک دفعہ سفر سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں آپ نے فرمایا میں چلنے پھرنے سے معذور ہوں۔دعا کرو اللہ تعالیٰ زبان سے معذور نہ فرمائے تاکہ میں اس کی حمد وثناء اور اس کے حبیب ﷺ کی تعریف وتوصیف بیان کرتا رہوں۔

صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ بلاشبہ بڑے عوامی خطیب تھے۔لیکن آپ کی خطابت، شجاعت سے عبارت تھی۔دور ایوبی میں ملک امیر محمد خان مغربی پاکستان کے گورنر تھے۔صاحبزادہ صاحب نے ایک آمر اور جابر گورنر کے بارے میں کہا ''گورنر کی مونچھوں سے بغاوت ہوسکتی ہے۔محمد ﷺ کی زلفوں سے بغاوت نہیں ہوسکتی''۔صرف اتنی بات پر شاہ صاحب کو شاہی قلعہ دیکھنا پڑا تھا۔آپ نے ہر دور میں کلمۃ الحق بلند کیا اور قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں..... 1953ء کی تحریک ختم نبوت میں مرحوم نے بڑی جگرداری اور بہادری سے حصہ لیا۔فیصل آباد سے رضا کاروں کا جو قافلہ روانہ ہوا تھا، شاہ صاحب نے اس کی قیادت فرمائی۔روانگی سے پہلے شاہ صاحب کو ایک بڑے جلوس کی صورت میں ریلوے اسٹیشن تک لایا گیا۔ریلوے اسٹیشن کے باہر صاحبزادہ صاحب نے تانگے پر کھڑے ہوکر ایک ولولہ انگیز تقریر فرمائی۔

صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ نے اپنی تصنیف ''زندگی'' میں لکھا ہے کہ میری شفاعت اور بخشش کے لئے 1953ء کی تحریک میں اسٹیشن والی تقریر ہی کافی ہے۔منیر انکوائیری رپورٹ میں صاحبزادہ سیّد افتخار الحسن شاہ کی اس تقریر کا ذکر موجود ہے جس میں اعتراف کیا گیا ہے کہ اس تقریر نے پورے شہر میں آگ لگادی تھی۔آپ نے مختلف جیلوں میں ساڑھے تین سال قید کاٹی۔ اگرچہ مرحوم بڑے خوش پوش، خوش خوراک اور نفیس الطبع انسان تھے لیکن اس کے باوجود نہایت پامردی اور جوانمردی سے اس طرح جیل کاٹی کہ مرحوم کے پائے ثبات میں لغزش تک نہ آئی۔

آخری ایام میں شاہ صاحب مرحوم کا جسم مختلف عوارض کا ہسپتال بن گیا تھا۔شوگر کے عارضہ کے باعث مرحوم چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن آپ نے اپنے حلقہ احباب سے رابطہ

علامہ ارشد القادری اسلاف کا عکس جمیل

اس کائنات رنگ و بو میں آنے والا ہر شخص کسی نہ کسی صلاحیت سے بہرہ ور ہوتا ہے کوئی عالم دین ہے تو علم کا تور بانٹ کر اپنی صلاحیت کا اظہار کرتا ہے کوئی ادیب ہے تو زبان وادب کی خدمت کر کے اہل زبان سے داد حاصل کرتا ہے کوئی شاعر ہے تو الفاظ کو کسی خوبصورت بحر میں سجا کر اہل ذوق سے واہ واہ سنتا ہے اور کوئی مصلح ہے تو معاشرے کی اصلاح کر کے افراد معاشرہ میں عزت کا مقام پاتا ہے۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

لیکن اس وقت ہمارا قلم جس عظیم ہستی کے در پہ جبیں سائی کر رہا ہے وہ قدرت کا ایسا ''گل رنگیں ادا'' تھا کہ نقاش ازل نے اس کے پیرہن میں کئی رنگ بھرے تھے اور کئی خوشبوئیں بسائیں تھیں میری مراد ہیں برصغیر کے صف اوّل کے قلمکار، عالمی شہرت یافتہ سکالر، ممتاز عالم دین، بے باک صحافی، مایہ ناز شاعر وادیب اور عظیم مصلح قوم حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھارت کے صوبہ اتر پردیش میں 1925ء کو پیدا ہوئے فقیر و درویشی اور طبع سلیم شفقت پدری کے سائے میں حاصل کی۔ علوم و معارف کی لازوال دولت ہندوستان کے نامور بزرگ اور عالم دین حافظ ملت حضرت حافظ عبدالعزیز محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ اور اپنے ماموں، کراچی کے مشہور شیخ الحدیث حضرت علامہ عبدالمصطفیٰ ازہری رحمۃ اللہ علیہ سے پائی۔ سلوک کی منزلیں اپنے بہنوئی، اعلیٰ کے خلیفہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں رہ کر تہہ کیں اور خرقہ خلافت شہزادہ اعلیٰ حضرت مفتی اعظم ہند الشاہ مصطفیٰ رضا خان نوری رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کیا۔ حضور رحمۃ للعالمین ﷺ کے تصدق ان کی روح پر رحمت خداوندی کی ایسی برکھا برسی کہ ان کا وجود ''اسلاف کا عکس جمیل'' بن گیا۔

حضرت فقیہ ملت نے تقریباً ۱۰ سال کی عمر میں حفظ قرآن کی سعادت حاصل کی اور تقسیم ہند سے قبل ہی فارسی کی تکمیل بھی کر لی تھی پھر ۱۹۴۷ء میں آپ عالم اسلام کے عظیم عالمی مبلغ حضرت علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ کے مدرسہ ناگن پور میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۲ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔ علامہ ارشد القادری اپنے ہزاروں شاگردوں میں حضرت فقیہ ملت پر بجا طور پر فخر فرماتے۔ آپ اوجھا گنج میں پہلے باقاعدہ اور مستند عالم دین شمار ہوتے تھے اور آج اوجھا گنج میں جتنے بھی علماء کرام ہیں یا تو آپ کے شاگرد ہیں یا شاگردوں کے شاگرد ہیں۔

جب آپ عالم دین ہو کر اپنے علاقے اوجھا گنج میں پلٹے تو آپ نے غلط رسومات کے خلاف بڑی تندہی سے عملی میدان میں کام کیا۔ اوجھا گنج میں یہ عام رواج تھا کہ قربانی کے بکروں کا گوشت مسلمانوں کیساتھ ساتھ ہندوؤں میں بھی تقسیم کیا جاتا تھا۔ آپ نے لوگوں کو مسئلہ سمجھایا کہ قربانی کے علاوہ تالیف قلب کیلئے کوئی تحفہ وغیرہ دیا جائے تو وہ دوسری بات ہے بلکہ اسلام کی اخلاقی تعلیم ہے اور مستحسن اقدام ہے لیکن جو چیزیں اسلام نے مسلمانوں کیلئے مختص کر رکھی ہو مثلاً زکوٰۃ یا قربانی وغیرہ تو وہ چیزیں غیر مسلم کو نہیں دی جا سکتیں جب آپ نے یہ تبلیغ فرمائی تو ہندوؤں کی طرف سے آپ کو مخالفت کا سامنا کرنا پڑا حتیٰ کہ ہندوؤں نے باقاعدہ آپ سے باز پرس بھی کی لیکن آپ نے بے جھجک جواب دیا کہ ہم نہیں روکتے بلکہ ہمارا مذہب روکتا ہے، جیسے آپ کا دھرم جتنی اجازت دیتا ہے اتنا ہی آپ برتاؤ ہمارے ساتھ کرتے ہیں" آپکے اس طرز استدلال اور حق گوئی و بیباکی کے کارن یہ رسم ختم ہوئی اب قربانی کا گوشت صرف مسلمانوں ہی میں تقسیم ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کے مواقع پر بالکل ہندوانہ طور طریقے تھے۔ حضرت فقیہ ملت نے اسکے خلاف بھی عملی اقدام کیے اور خود شادی ان کی شادی اوجھا گنج کی تاریخ میں پہلی شادی تھی جو مکمل اسلامی تعلیمات کا آئینہ تھی جو لوگوں کے لئے اسلامی شادی کا مکمل نمونہ بنی اور اس نے رسم رواج کا رخ موڑ دیا۔ ایک اور چلن جو آپ نے تبدیل کروایا وہ عورتوں کا بیٹھ کر نماز پڑھنا لازم تھا۔ عام طور پر عورتیں بیٹھ کر نماز پڑھا کرتی تھیں۔ حضرت فقیہ ملت نے مسئلہ سمجھایا کہ صرف مجبوری میں بیٹھ کر نماز پڑھ سکتے ہیں جبکہ کھڑے ہونے کی سکت ہی نہ ہو۔ اب الحمد للہ عورتیں کھڑی ہو کر ہی نماز

حضرت مولانا غلام قادر اشرفی رحمۃ اللہ علیہ

لاہور سے اسلام آباد جائیں تو راستہ میں ''لالہ موسیٰ'' کے مقام پر ایک خوبصورت مزار مبارک اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ خوش عقیدہ لوگوں کو دعوت نظارہ دیتا ہے یہ مزار شریف اشرف المشائخ حضرت مولانا غلام قادر اشرفی کا ہے۔ جو صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے تلامذہ میں ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ آپ بھارتی پنجاب کے قصبہ ''فرید کوٹ'' میں ہفتہ ۱۴ محرم الحرام ۱۳۲۴ھ یعنی ۱۰ مارچ ۱۹۰۶ء میں میاں باغ علی چشتی کے ہاں پیدا ہوئے۔ ابھی سن شعور کو نہیں پہنچے تھے کہ اکثر بڑے لوگوں کی طرح آپ بھی یتیم ہو گئے۔ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۲ء تک مقامی سکول میں زیر تعلیم رہے۔ غالباً ۱۹۲۴ء میں حضرت صدر الافاضل کے مدرسہ اہل سنت (جامعہ نعیمیہ مراد آباد) میں داخل ہوئے اور جامعہ نعیمیہ میں پڑھائی کے دور میں ہی مختلف تعلیمی اداروں اور اساتذہ سے جز وقتی طور پر سنسکرت، ہندی، گورمکھی اور گیانی زبانیں بھی سیکھیں۔

۱۹۲۵ء میں جب مراد آباد میں سنی کانفرنس منعقد ہوئی تو جامعہ نعیمیہ کے دیگر طلباء کے ساتھ آپ نے بھی کانفرنس کے انتظامات اور مسلمانوں کی خدمت میں بڑھ چڑھ کا حصہ لیا۔

جامعہ نعیمیہ میں پڑھائی کے دوران ایک دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ ایک دن مولانا غلام قادر اشرفی دیگر طلباء کے ساتھ دیوبندیوں کے جلسے میں چلے گئے۔ آپ کے وہاں جانے کی غرض یہ تھی کہ بدمذہبوں کے عقائد کے بارے میں معلومات ہوں گی اور ان کے عقائد کا رد قرآن و حدیث کی روشنی میں بآسانی کیا جا سکے گا۔ جب حضرت صدر الافاضل کو معلوم ہوا کہ جامعہ نعیمیہ کے طلباء نے بدمذہبوں کے جلسے میں شرکت کی ہے تو آپ بہت خفا ہوئے اور فرمایا کہ ایسے لوگوں کی کسی بھی محفل میں جانا درست نہیں ہے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے، دوسرا یہ کہ اپنے عقائد میں انتشار و فتنہ کا احتمال ہوتا ہے۔ سزا کے طور پر ان طلباء کو ایک دن بھوکا رکھا گیا۔ بلکہ ساری

سے نہ اُترے تو چوہدری صاحب نے مجھے آواز دی۔ وہ جارہے ہیں یہیں آ کر مل لو۔ میں نے فوراً آ کر سلام عرض کر کے ہاتھ ملایا اور عرض کیا۔ ذرا باہر آ کر کھڑے ہو جائیں تا کہ لیگ کے کارکن جو دور دراز سے راتوں رات پیدل سفر کر کے یہاں پہنچے ہیں، اپنے محبوب قائد کو ایک نظر دیکھ لیں۔ یہ سن کر قائداعظم موٹر کے پائیدان پر کھڑے ہو گئے، میں نے پھر عرض کیا، آپ زمین سے فٹ ڈیڑھ فٹ بلندی پر کھڑے ہیں۔ اگر چھ سات فٹ اُونچے کھڑے ہوں تو زیادہ لوگ دیکھ سکیں گے۔ فرمانے لگے کیوں؟ میں نے عرض کیا۔ اس لئے کہ میں مسلم لیگ کا جنم ساتھی ہوں اور آپ اس کے صدر ہیں۔ فرمایا، کیسے؟ میں نے کہا میری پیدائش ۱۹۰۶ء میں ہوئی اور مسلم لیگ کا قیام بھی ۱۹۰۶ء میں ہوا چونکہ میں اور مسلم لیگ اکٹھے پیدا ہوئے لہٰذا میں اس کا جنم ساتھی ہوں۔ اس قائد اعظم نے وفورِ جذبات سے مجھے گلے لگا لیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج پر تشریف لائے اور فرمایا۔

''حضرات! میرا مولانا سے لڑائی ہوا، تو وہ لڑائی پیار اور محبت کا تھا، یہ سامنے انڈیا کا نقشہ ہے، میں اس پر پاکستان کو اُبھرتا ہوا دیکھ رہا ہوں، منزل بالکل قریب ہے، آپ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر میرے ہاتھ مضبوط کریں، اللہ ہمارا حامی و ناصر ہو''۔

اس دلکش اور وجد آور خطاب کے بعد ''مسلم لیگ زندہ باد'' اور ''قائداعظم زندہ باد'' کے نعروں کی گونج میں میں نے نذرانہ کی تھیلی پیش کی اور ان کا قافلہ شاداں و فرحاں عازمِ گجرات ہوا۔

اپریل ۱۹۴۶ء میں تاریخ ساز آل انڈیا بنارس سنی کانفرنس میں آپ نہ صرف خود شریک ہوئے بلکہ مغربی پنجاب سے بہت سے ساتھی علماء کو بھی لے کر گئے۔ سنی کانفرنس میں علماء اہل سنت کی طرف سے تحریک پاکستان کی مکمل تائید و حمایت کے بعد آپ نے مسلم لیگ کے لئے اپنی جدوجہد کو اور تیز کر دیا اور اس کی پاداش میں کئی مرتبہ جیل کاٹی۔ مختلف اوقات میں جو قید آپ نے کاٹی اگر اسے شمار کیا جائے تو تقریباً ۴ سال کا عرصہ بنتا ہے۔ جب بھی آپ جیل سے رہا ہو کر آتے تو بلا خوف و خطر پہلے سے بڑھ کر تحریک پاکستان کے لئے کام کرتے۔ لیکن جب پاکستان بن گیا اور یہاں پاکستان بنانے والوں کو نظر انداز کر کے دوسروں کو نوازا جانے لگا تو آپ مسلم لیگ کو چھوڑ

بھی بڑے طریقہ اور سلیقہ سے کلام کرتے ہیں۔ اسماعیل دہلوی کی فتنہ ساز کتاب تقویت الایمان میں ''غلام محی الدین'' غلام معین الدین ''پیر بخش'' وغیرہ نام رکھنے کو شرک بتایا گیا ہے۔ آپ اس کے رد میں اپنی کتاب ''شانِ اولیاء'' کے صفحہ ۲۹ پر فرماتے ہیں۔ ''برکت کے لئے اپنی اولادوں کے نام ان (بزرگوں) کے نام پر رکھنا، یہ سب شرک قرار دے دیا اور کروڑوں مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ اسلام سے خارج کر دیا پھر یہ کہ اس دعوے پر نہ دلیل ہے نہ برہان، نہ کوئی حدیث نہ قرآن، نہ ثبوت نہ شہادت، نہ کوئی حوالہ نہ کسی کتاب کی عبارت، حالانکہ دیکھئے مولوی قاسم نانوتوی بانی مدرسہ دیوبند کے دادا کا نام ''غلام شاہ'' اور پردادا کا نام ''محمد بخش'' ہے۔ مولوی یعقوب کے والد کے نانا کا نام ''خواجہ بخش'' ہے۔ ان کے والد کے استاد کا نام ''قلندر بخش'' ہے۔ رشید احمد گنگوہی کے دادا کا نام ''پیر بخش'' پردادا کا نام ''غلام حسن'' اور پردادا کے والد کا نام ''غلام علی'' اور نانا کا نام ''فرید بخش'' ہے۔ رشید احمد گنگوہی کے ایک استاد کا نام ''قطب بخش'' اور دوسرے کا نام ''محمد غوث'' ہے۔

یہ ہے مولانا غلام قادر اشرفی کی طرز نگارش، عالمانہ گرفت اور معیار تحقیق جس کے سامنے عقل سلیم کو تسلیم کے علاوہ کوئی راستہ سوجھائی نہیں دیتا۔

ضرورت اس چیز کی ہے کہ آپ کی کتابوں کو شائع کر کے سرکاری اور غیر سرکاری لائبریریوں کی زینت بنایا جائے اور دوسرا یہ کہ آپ کے مفصل سوانح حیات مرتب کئے جائیں۔ جس سے ماضی کی مختلف تحریکوں کے بعض پہلو سامنے آئیں گے۔ جو محققین کی دلچسپی کا سامان فراہم کریں گے اور نوجوان نسل کو اپنے تابناک ماضی کو سامنے رکھ کر بہتر مستقبل کی تلاش میں مدد دیں گے۔ حکیم اہل سنت حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کے قافلہ عشق و اخلاص کے ایک رکن ''متین کاشمیری'' اس سلسلے میں تگ و دو کر رہے ہیں۔

کوشاں رہے آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں شاہ احمد نورانی سے عمر میں بڑا ضرور ہوں مگر مقام و مرتبہ میں شاہ احمد نورانی مجھ سے بہت بڑے ہیں اور میرے والد کے حقیقی جانشین ہیں۔ ۱۹۹۰ء کے الیکشن میں امام نورانی کی انتخابی مہم میں آپ بنفس نفیس شریک تھے اور کارکنوں کی طرح کام کرتے تھے۔ ضعف اور بزرگی کے باوجود ٹرکوں اور ٹرالوں پر سفر کرنا، جلسوں سے خطاب کرنا۔ میٹنگوں میں شریک ہونا اور کارکنوں کی حوصلہ افزائی کرنا آپ کے نمایاں اوصاف تھے اتنی بڑی شخصیت ہونے کے باوجود عاجزی اور انکساری سے پیش آنا آپ کی عادت ثانی تھی آپ چند سال قبل انتقال فرما گئے ہیں۔

امام شاہ احمد نورانی ۱۷ رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے پہلے میرٹھ اور پھر الہ آباد سے تعلیم حاصل کی جب پاکستان بنا تو آپ زیر تعلیم تھے تعلیم مکمل ہونے پر آپ کراچی آگئے مولانا خود فرمایا کرتے تھے کہ جب ہمارا خاندان ہجرت کر کے کراچی آیا تو کئی دن ہمارے خاندان نے کھلی سڑک پر خیمہ میں گزارے وزیر اعظم لیاقت علی خان نے والد صاحب سے کہا کہ آپ کی میرٹھ میں جائیداد تھی لہٰذا آپ کلیم داخل کر کے کوئی پلاٹ وغیرہ الاٹ کرالیں تو آپ کو والدہ صاحب نے جواب دیا کہ ''میں نے سنت رسول ﷺ سمجھ کر ہجرت کی ہے میں کلیم داخل کروا کر سنت کا ثواب ضائع نہیں کرنا چاہتا''۔

پاکستان آنے کے بعد مولانا نورانی نے مسلسل ۲۰ برس تک افریقہ اور یورپ میں دین اسلام کا پیغام پہنچایا عیسائیت کے حملوں اور مرزائیت کی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اپنے والد گرامی کے قائم کردہ تمام اداروں کی مکمل نگہداشت کی اور ان کی تعمیر و ترقی میں دن رات کوشاں رہے ۱۹۵۳ء کی تحریک ختم نبوت میں آپ نے نمایاں کردار ادا کیا اور نوعمری کے باوجود آپ ملکی سطح پر ہونے والے جید علماء کے اجلاسوں میں شریک رہے۔ جسٹس منیر رپورٹ کے صفحہ ۸۰ پر ہے کہ ''علماء کی ایک کمیٹی وزیر اعظم خواجہ ناظم الدین سے مذاکرات کے لئے تشکیل دی گئی اس میں جمعیت علماء پاکستان کے تین لیڈر تھے علامہ سیّد ابوالحسنات مولانا مفتی صاحب داد خان اور مولانا شاہ احمد نورانی''

سے بے حیائی کا بل پاس کیا تو آپ نے غیرت اسلامی کا ثابت دیتے ہوئے اسمبلی سے استعفیٰ دے دیا۔

ڈاکٹر فریدہ احمد کے شوہر محترم جناب محمد احمد صدیقی ماہر معاشیات ہیں اور پاکستان کے ممتاز ماہرین معاشیات میں گنے جاتے ہیں اس بات کی دلیل یہ ہے کہ ایک امریکی تحقیقی ادارے نے دنیا کے مشہور ماہرین معاشیات کی ایک فہرست شائع کی تھی اس میں پاکستانی ماہرین معاشیات میں جناب محمد احمد صدیقی کا نام بھی شامل تھا۔ اس کے علاوہ آپ بلند پایہ صحافی بھی ہیں۔ کسی دور میں آپ کراچی سے ہفت روزہ ''احوال'' نکالتے تھے اور وہ پرچہ سنی صحافت کا نمائندہ پرچہ سمجھا جاتا تھا۔ راقم کے صحافتی کیریئر کا آغاز اس پرچے سے ہوا۔ اپنے عہد میں وہ پرچہ حق گوئی اور بے باکی کا علمبردار اور صحافت میں دیانت کے اصول پر کاربند رہا تھا ایسے پرچوں کو نہ تو سرکاری اشتہار ملتے ہیں اور نہ کوئی اور ذریعہ ایسا ہوتا ہے کہ انہیں زندہ رکھا جا سکے۔ اگر اسے نظر نہ لگی ہوتی تو آج وہ پاکستان کے صف اوّل کے جریدوں میں شمار ہوتا۔ محمد احمد صدیقی جمعیت علمائے پاکستان کے مرکزی رہنما رہے اور تقریر و تحریر میں بے پناہ صلاحیتوں کے حامل تھے امام نورانی کے سچے شیدائی اور نامساعد حالات میں ڈٹ کر اپنے قائد کا ساتھ دینے والے کارکن تھے لیکن آج کل ضعف اور بزرگی کے باعث گوشہ نشین ہو گئے ہیں۔

''امام نورانی کی زوجہ محترمہ'' آپ کا تعلق آفتاب پنجاب حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد سے ہے حضرت علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی وہ شخصیت ہیں کہ آپ ہی نے حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی کو مجدد الف ثانی کا خطاب دیا تھا اور حضرت مجدد الف ثانی آپ کو ''آفتاب پنجاب'' کہہ کر پکارا کرتے تھے آپ کی اولاد میں یوں تو اور بھی کئی اہل علم ہوئے لیکن جو شہرت حضرت مولانا ضیاء الدین مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہوئی وہ انہیں کا حصہ ہیں۔ آپ امام احمد رضا بریلوی کے خلیفہ تھے اور ۸۰ سال کے قریب مدینہ منورہ میں رہ کر فکر رضا کی ترویج و اشاعت میں مصروف رہے آپ کے روحانی مقام و مرتبہ کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ ''قطب مدینہ'' تھے حضرت امام نورانی کی زوجہ محترمہ انہی قطب مدینہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا مفتی

حضرت مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

بھارتی صوبہ اتر پردیش کے ضلع مرادآباد میں ''سنبھل'' ایک چھوٹا سا مگر قدیم شہر ہے۔ اس شہر کا ذکر آشوک 5000 قبل مسیح میں بھی ملتا ہے۔ یہ راج کا دارالحکومت تھا۔ چھٹی صدی ہجری میں سید سالار مسعود غازی نے اسے فتح کیا تو اس کے چوک ''دیپا سرائے'' میں علم نصب کیا اور اپنے ترک سپاہیوں کو وہیں آباد کیا۔ انہیں ترک خاندانوں مین سے ایک خاندان میں آگے چل کر ایک پابند شرع اور اچھی شہرت رکھنے والے فرد ملا تفضل حسین کے ہاں حضرت مفتی محمد حسین نعیمی 6 مارچ 1923ء کو پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں سایہ مادری سے محروم ہو گئے اور بڑی بہن فاطمہ اور بہنوئی حضرت مفتی محمد یونس نعیمی (جو صدرالافاضل کے شاگرد رشید اور جامعہ نعیمیہ مرادآباد کے مدرس تھے) نے آپ کی تعلیم و تربیت فرمائی۔

ابتدائی کتابیں اپنے بہنوئی صاحب سے پڑھنے کے بعد مفتی محمد حسین نعیمی جن اساتذہ سے پڑھے ان میں تاج العلماء مفتی محمد عمر نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، آپ کے سسر مفتی اجمل شاہ سنبھلی نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت کے بڑے بھائی مفتی امین الدین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ، اور صدرالافاضل حضرت سیّد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ ممتاز ہیں۔ منطق کی مشہور کتابیں ''قاضی'' اور ''حمداللہ'' فلسفہ کی ''صدرہ'' اور ''شمس بازغہ'' علم الکلام کی ''شرح عقائد'' اور ''خیالی'' حدیث کی کتاب بخاری اور تفسیر بیضاوی خود صدرالافاضل سے پڑھیں۔

مفتی محمد حسین نعیمی بچپن ہی سے بلا کے ذہین تھے۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں تمام ساتھیوں کی نسبت اپنے اساتذہ سے سب سے زیادہ سوالات کیا کرتا تھا ایک مرتبہ فلسفہ کی ایک کتاب زیر مطالعہ تھی اور خود صدرالافاضل پڑھا رہے تھے۔ میں نے ایسے انداز میں سوال کئے

کہ حضرت مزاحاً فرمانے لگے ''محمد حسین تم مولوی کیوں بنے؟ تم کو تو تھانے دار بننا چاہئے تھا''۔

1942ء میں صدرالافاضل کے شاگرد رشید اور پیر بھائی حضرت سیّد ابوالبرکات احمد قادری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سے حزب الاحناف کے لئے ایک مدرس طلب فرمایا تو حضرت صدرالافاضل نے اپنے نوجوان شاگرد 19 سالہ مفتی محمد حسین نعیمی کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے ہوئے آپ کو حزب الاحناف میں پڑھانے کے لئے روانہ فرمایا۔

مفتی صاحب خود فرماتے ہیں کہ جب میں جامعہ نعیمیہ مرادآباد سے فارغ ہوا تو سیّد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر قبلہ صدرالافاضل نے جامعہ حزب الاحناف لاہور میں بطور مدرس میرا انتخاب فرمایا اور تدریس کے لئے مجھے بھیج دیا اور حزب الاحناف میں میری تدریس کا آغاز ہوا۔ سیّد ابوالبرکات رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ماہانہ وظیفہ 15 روپے مقرر فرمایا اور قبلہ سید صاحب نے مجھے مختصر المعانی، ہدایہ اور جلالین وغیرہ پڑھانے کو دیں۔ چنانچہ میں جب پڑھاتا تو سید صاحب چھپ کر میرے طرز تدریس اور انداز تقریر کو سنتے جس کا مجھے کوئی علم نہ ہوتا جب مہینہ گزر گیا تو سید صاحب نے طے شدہ 15 روپے کی بجائے دس روپے بڑھا کر 25 روپے دیئے تو میرے پوچھنے پر آپ نے بتایا کہ میں آپ کے درس کو چھپ کر سنتا رہا ہوں۔ آپ کو بہترین مدرس پایا تو میں نے خوش ہو کر آپ کے وظیفہ میں اضافہ کر دیا۔

مفتی محمد حسین نعیمی نے 42 سے 48 تک حزب الاحناف کی مسند تدریس پر علم وفن کے موتی لٹائے اور لاہور کے علمی اور تدریسی حلقوں میں اپنا لوہا منوالیا۔

1948ء سے تحریک ختم نبوت تک آپ لاہور کی تاریخی درسگاہ دارالعلوم نعمانیہ میں بھی پڑھاتے رہے مگر تحریک ختم نبوت میں حصہ لینے کے ''جرم'' کی پاداش میں ''خداوندان نعمانیہ'' نے آپ کو نعمانیہ سے فارغ کر دیا۔

یہ آپ کی زندگی کا ایک اہم موڑ تھا۔ یہیں سے آپ اعلیٰ پائے کے مدرس کے ساتھ مردِ میدان بھی ثابت ہوئے اور آپ نے تحریک ختم نبوت میں بے مثال کردار ادا کر کے اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کیا اور تحریک ختم نبوت ہی کی برکت سے آپ گوشہ گمنامی سے نکل کر

حضرت علامہ پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مدظلہ العالی

حضرت پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب سے شناسائی ۱۹۹۲ء میں اس وقت ہوئی جب فاروقی صاحب کی زیرادارت وانصرام لاہور سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''جہانِ رضا'' نظر سے گزرا، کراچی میں استادمحترم پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی بدولت مجھے ''جہانِ رضا'' عطا ہوا۔ اولین فرصت میں ماہنامہ ''جہانِ رضا'' کا سنجیدگی سے مطالع کیا۔ اداریے اور مضامن کے حسن انتخاب نے مجھے بہت متاثر کیا۔ کوئی مضمون بھرتی کا نہ تھا بلکہ تازگی اور تحقیق کا ہر مضمون شاہکار تھا۔ صحافت میں اداریہ نویسی ایک سنجیدہ اور خشک صنف ہے لیکن فاروقی صاحب کے اسلوبِ تحریر نے سنجیدگی کو شگفتگی اور خشکی کو تازگی میں اس طرح ڈھالا کہ قارئین کی دلچسپی نہ صرف آخری سطر تک قائم رہتی بلکہ قارئین کے ذوق وشوق کی آسودگی کے ساتھ ساتھ فاروقی صاحب کا پیغام بھی ان کے ذہن نشین ہوتا گیا۔ مختصر یہ کہ ''جہانِ رضا'' فاروقی صاحب کی اعلیٰ صلاحیتوں کا اولین نقش تھا جو میری لوحِ دماغ پر ثبت ہوا اور گلبنِ رضا کا ایک جھونکا تھا جس سے دل وجاں وجد کرنے لگے۔

جب میں ۱۹۹۵ء میں کراچی سے واپس لاہور آیا تو فاروقی صاحب سے ملنے کی شدید خواہش ساتھ لایا۔ لاہور میں کچھ دن ماہنامہ ''فیضان مدینہ'' کی تیاری اور اشاعت وترسیل میں گزر گئے۔ بالآخر فاروقی صاحب سے ملاقات اور ''فیضان مدینہ'' اُن کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے آپ کی محفل (مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ) میں پہنچا، آپ کی عدم موجودگی کی وجہ سے شرفِ ملاقات نہ ہوا لیکن مکتبہ نبویہ میں آپ کی تصانیف وتراجم اور مرتب کردہ کتابوں کے گلہائے رنگ رنگ کو دیکھنے اور سرسری مطالعہ کا موقع میسر آ گیا۔ آپ کا مرتب کردہ ''تذکرہ علمائے اہل سنت و جماعت'' دیکھا تو تاریخ وتذکرہ کی اصناف میں بھی آپ کا لوہا ماننا پڑا، تاریخ وتذکرہ میں آپ کی

کتابیں سند کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ''تفسیر نبوی'' پنجابی کا اردو ترجمہ جو پندرہ خوبصورت جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ دیگر فارسی اور عربی کتابوں کے اردو تراجم دیکھے تو آپ میدانِ ترجمہ کے بھی شہسوار نظر آئے۔ دیباچہ اور مقدمہ نگاری میں مخصوص رنگ و آہنگ، سیرت و خاکہ نگاری میں فنکارانہ مہارت، تنقید و تبصرہ میں بے باکانہ گرفت اور شوخی تحریر دیدہ و دل کو منور کرتی گئی اور آپ کی شخصیت کا سحر گہرا ہوتا گیا۔

چند روز بعد ''مکتبہ نبویہ'' پھر حاضر ہوا تو فاروقی صاحب کو جلوہ افروز پایا۔ آپ انتہائی شفقت و مروت سے پیش آئے، ایک طویل ملاقات کا شرف بخشا، آج تک اُن کی شفقت بھری ملاقاتوں کا سلسلہ جاری ہے اور انہوں نے مجھے اپنے دامن محبت سے آزاد کیا اور نہ میرے دل نے رہائی کا مطالبہ کیا۔

کراچی میں قیام کے دوران پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کی صحبت میں جو پاکیزہ ادبی ذوق پایا تھا لاہور میں فاروقی صاحب کی تربیت نے اسے مزید جلا بخشی۔ میرا مضمون ''کلام رضا میں صنعتِ تضاد کا مختصر مطالعہ'' جب ماہنامہ ''جہانِ رضا'' میں چھپا تو فاروقی صاحب کی مزید توجہ حاصل ہوئی پھر ایک وقت آیا کہ آپ نے مجھے رئیس التحریر علامہ ارشد القادری رحمۃ اللہ علیہ پر ایک مختصر مضمون لکھنے کا حکم فرمایا۔ ایک طرف تو علامہ ارشد القادری کی جلیل القدر ہستی موضوع سخن اور دوسری طرف فاروقی صاحب جیسے عظیم دانشور کی فرمائش، بہر حال توقعات پر پورا اُترنے کی سعی کی اور استطاعت کے مطابق مضمون تیار کر کے فاروقی صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ آپ نے پسند فرمایا اور ''جہانِ رضا'' اگست ۲۰۰۲ء کے شمارے میں شائع کر دیا۔ فاروقی صاحب کی شفقتوں کے سائے وقت کے ساتھ ساتھ مزید گھنے ہوتے چلے گئے۔

''جہانِ رضا'' میں ایک مستقل علمی مضمون ''یسئلون'' قارئین میں بہت مقبول تھا جسے فاروقی صاحب خود تحریر فرمایا کرتے تھے، عدیم الفرصتی کے باعث آپ نے ''یسئلون'' کا سلسلہ جاری رکھنے کے لئے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا اور اس مشکل کام کی ذمہ داری چند ماہ کے لئے مجھے

کا نتیجہ تھا اور اس کے بعد بھی انہوں نے نعت کے سوا کسی اور صنفِ سخن کو قبول نہیں کیا۔ اس مرحلہ پر مجھے علامہ اقبال یاد آئے جنہوں نے ''نعت'' کے عنوان سے کوئی الگ نظم نہیں لکھی لیکن ''بانگِ درا''، ''بال جبریل'' اور ''ضرب کلیم'' میں متعدد ایسی نظمیں موجود ہیں جن میں نعت رسولِ عربی ﷺ کا جوہر بدرجۂ اُتم موجود ہے اور انہوں نے ہی یہ اشعار لکھے:

وہ دانائے سُبل، ختم الرسل، مولائے کُل، جس نے
غبارِ راہ کو بخشا ، فروغِ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول ، وہی آخر
وہی قرآں ، وہی فرقاں ، وہی یٰسین ، وہی طٰہٰ

تو انہیں آنحضرت ﷺ کا بہترین قصیدۂ عقیدت قرار دے کر تسلیم کیا گیا کہ یہاں ''علامہ اقبال بحیثیت نعت گو'' اپنے فن کے معراج پر ہیں۔

شاعری کے فن پر سعید بدر کی قدرت کو دیکھ کر میں اندازہ کر سکتا ہوں کہ وہ غزل اور نظم کی ہیئت میں ہر موضوع کو اپنی شاعری میں منفرد انداز میں پیش کر سکتے تھے اور اس کے ساتھ ہی وہ اپنے معاصرین کی طرح نعت نگاری کا فریضہ بھی حسن و خوبی سے ادا کر سکتے تھے۔ ''آیاتِ نور'' میں ان کے ''عرض تمنا'' کا احوال پڑھا تو یوں محسوس ہوا کہ وہ عصر حاضر کا تمام تماشا دیکھ رہے تھے اور اس تماشے کا کردار بھی تھے، ان کے باطن میں ایک واضح ردعمل بھی مرتب ہو رہا تھا لیکن جب شاعری کی طرف آئے اور پہلی نعت ارتجالاً کہہ ڈالی تو معاشرتی ردِ عمل پیش کرنے کے لئے

سوال: جب آپ آگ کے اندر کھڑے تھے تو کیسا لگ رہا تھا۔

جواب: بڑا مزہ آرہا تھا ایسا لگتا تھا کہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا آرہی ہے اور میں حیران تھا کہ آگ کے اندر ہوا کیسے آرہی ہے۔

سوال: یہ بات بھی سننے میں آئی ہے کہ آپ کی طرف کی آگ سبز ہوگئی تھی۔

جواب: مجھے تو معلوم نہیں میں تو اس وقت جذبات میں تھا اور مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ آگ کا رنگ کیسا ہے البتہ جو لوگ موجود تھے وہ یہی بتاتے ہیں کہ میری طرف کی آگ سبز تھی اور ہارون دیوبندی کی طرف کی آگ ویسی ہی تھی جیسی آگ ہوتی ہے۔

سوال: آگ سے نکلنے کے بعد کیا ہوا۔

جواب: لوگوں نے خوشی سے نعرے لگائے مجھے مبارکباد دی پھر بعد میں شہر میں جلوس نکالا ایک آدمی ہارون کو ڈاکٹر کے پاس لے گیا اور اس کا علاج کرایا پھر اخباروں میں چرچا ہوگیا لوگ دور دور سے مجھے دیکھنے آتے ہیں اور یہ سلسلہ آج تک چل رہا ہے۔

سوال: آپ کا سارا خاندان سنی بریلوی ہے۔

جواب: بالکل ہم کٹر سنی بریلوی ہیں علمائے اہلسنت بریلوی کے پیچھے چلنے والے ہیں۔

سوال: علمائے اہلسنت میں آپ کا پسندیدہ عالم دین کون ہے۔

جواب: ویسے تو سارے ہی علماء اچھے ہیں ویسے مولانا سعید احمد اسعد صاحب اچھے لگتے ہیں ان کا انداز بہت اچھا ہے اور وہ بہت بہادر آدمی ہیں۔

گواہوں کے بیانات:

نوٹ! دو گواہ ہارون کی برادری کے ہیں اور ایک اس کی خالہ کا لڑکا ہے۔

☆ آگ جلانے والے۔ اللہ ڈنو سوڈر۔ ممتاز آبھاد۔ وارہ

میں اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں۔ مباہلہ کے وقت میں وہاں موجود تھا ان دونوں کے پاس ماچس نہیں تھی اس لئے میں نے آگ لگائی آگ لگانے سے پہلے میں نے ہارون

کو منع کیا کہ بحث نہ کرو اور محمد پناہ کے آگے ہاتھ جوڑے کہ چھوڑ و جانے دو لیکن دونوں نے میری بات نہ مانی اور کہا کہ ماچس لگاؤ میں نے ماچس لگا دی۔

سوال: کیا آپ محمد پناہ کو جانتے تھے۔

جواب: نہیں۔

سوال: ہارون کو جانتے تھے۔

جواب: جی ہاں ہارون نزدیک کا رہنے والا ہے محمد پناہ ہم سے کافی دور رہتا ہے۔

سوال: آگے میں جانے سے پہلے دونوں کی کیا حالت تھی۔

جواب: محمد پناہ غصے میں سرخ ہو چکا تھا اور زور زور سے رو رہا تھا اور مدینے والے سائیں کو بلاتا تھا اور ہارون کہتا تھا وہ کچھ نہیں کر سکتے وہ حاضر و ناظر نہیں ہیں تم کیوں بلاتے ہو۔ پھر پہلے محمد پناہ اندر گیا پھر اس کو پکڑ کر کھینچا بس وہ تو فوراً ہی نکل کر بھاگا اس کی داڑھی جل گئی ایک ٹانگ جل گئی اس ٹانگ کی کھال اترتے ہوئے میں نے خود دیکھی اور محمد پناہ کافی دیر آگ میں رہا۔

چھ گواہوں کے بیانات:

ہم خدا تعالیٰ کو مالک اور حاضر و ناظر جان کر تصدیق کرتے ہیں کہ جس طرح محمد پناہ نے بیان کیا اسی طرح ہوا تھا اور ہم سب موجود تھے اور یہ واقعہ دیکھ کر حیران ہو گئے۔

۱) غلام نبی قریشی۔ گاؤں مانجھی خاں سوڈر۔ تحصیل وارہ۔

۲) غلام علی ولد خمیسو خان گانجو (ہارون کی خالہ کا لڑکا)

۳) رانجھن ولد محمد فاضل پیرزادہ (جس ٹریکٹر پر ہارون مزدوری کرتا تھا اس کا ڈرائیور)

۴) محمد اسلم ولد محمد عرس بردہی۔ شہر وارہ۔

۵) غلام حسین ولد جانب خان گانجو۔ گاؤں حاجی غلام محمد گانجو (ہارون کی برادری کا)

۶) غلام حسین ولد مصری خان گانجو گاؤں عبدالکریم گانجو (ہارون کی برادری کا)

نوٹ! اس گواہ نے ہارون کا ابتدائی علاج اپنی جیب سے کرایا

کاظمی ملتان والے اور دیگر کئی بڑے بڑے نام ور لوگ آیا کرتے تھے۔

سوال: آپ کا گھر لاہور کے کس علاقے میں واقع تھا۔

جواب: برکت علی روڈ موچی دروازہ۔

سوال: اب وہ گھر ہے یا نہیں۔

جواب: اب وہ تقسیم ہو گیا ہے کچھ حصہ میں مارکیٹ بن گئی کچھ حصہ باقی ہے۔

سوال: حضرت مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے معمولات کیا ہوتے تھے۔

جواب: ملاقاتیوں سے فارغ ہونے کے بعد ذکر و فکر ہی میں رہتے تھے۔

سوال: مثلاً ذکر و فکر میں کیا شامل تھا آیا تسبیح وغیرہ زیادہ پڑھتے تھے۔

جواب: نہیں تسبیح تو میرے خیال میں میں نے نہیں دیکھی اکثر انگلیوں پر پڑھتے تھے اور رات عشاء کے بعد کوئی ڈیڑھ گھنٹہ وظائف کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد تہجد معمول میں شامل تھی۔

سوال: ملاقاتیوں سے اکثر کن موضوعات پر بات کرتے تھے۔

جواب: جو موضوع چھڑ جاتا اس کے مطابق بات کرتے سیاسی موضوع پر بھی مذہبی موضوع پر بھی ہر موضوع پر بات چیت چلتی رہتی تھی۔ علماء سے زیادہ تر علمی اور مذہبی موضوع پر ہی بات کرتے تھے۔

سوال: لوگوں کو کیا کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔

جواب: حضرت کہہ کر پکارتے تھے اور سید صاحب کو حضرت سید صاحب کہتے تھے۔

سوال: آپ نے کبھی انکے ساتھ سفر کا شرف بھی حاصل کیا۔

جواب: جی ہاں جب بھی کبھی آپ کسی علاقے میں تقریر کے لئے جاتے تو میں بڑے شوق سے ساتھ جاتا تھا۔

سوال: تقریر زیادہ تر کن موضوعات پر کیا کرتے تھے۔

جواب: اکثر میں نے ان کو سیرت رسول اکرم ﷺ پر ہی تقریر کرتے سنا اور تقریر کے دوران